اعلائے کلمتہ الحق

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

منظور احسن عباسی

اسلامی مشن سنت نگر لاہور

اعلائے کلمۃ الحق

منظور احسن عباسی

اسلامی مشن ۔ سنت نگر ، لاہور

قیمت دو روپے

www.OnlyOneOrThree.com
www.Only1Or3.com

فہرست مضامین

۱	مقدمہ	۵
۲	اعلائے کلمۃ الحق	۸
۳	امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی فضیلت	۱۶
۴	ماں باپ کی وفات کے بعد ان سے حسنِ سلوک کا طریقہ	۳۸
۵	حکومت و اقتدار کے آداب	۴۵

۶	ارباب حکومت کی چار قسمیں	۴۷
۷	علماء کا فرض اوّلین	۶۳
۸	حق گوئی و حق پسندی	〃
۹	امام ربانی مجدد الف ثانی	۶۵
۱۰	امر و الٰہی کا اسلامی ضابطہ	۷۵
۱۱	معاشرہ کی بد بختی	۷۶
۱۲	خبردار قیامت کے دن	۷۹
۱۳	یاد رکھیئے	۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مدت سے یہ خیال دل میں موجزن تھا کہ ایک مختصر سی کتاب اعلائے کلمۃ الحق کے موضوع پر لکھی جائے۔ جتنا بھی اس پر غور و فکر کیا اتنا ہی یہ خیال پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔

بدیں وجہ کہ موجودہ پر آشوب دور میں اقدارِ اخلاق ہی تبدیل کی جا رہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کئی سال قبل بھانپ لیا تھا کہ ایسا انقلاب آنے والا ہے جو کہ اخلاق کو تہ و بالا کر دے گا۔ انہوں نے فرمایا ؎

تھا جو ناخوب وہ بھی خوب ہوا

ہم ایسے کٹھن دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں حق کا کلمہ کہتے ہوئے — سچی بات لکھتے ہوئے — حقیقت نوائی کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تلقین کرتے ہوئے انسان ڈرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی شخص کتنا ہی انسانیت سوز فعل کرتا ہو، وہ چپ سادھے رہیگا مجال ہے کہ منہ سے کلمہ حق نکالے۔

دن دہاڑے قتل ہوتا ہے — اغوا ہوتا ہے — ڈاکہ پڑتا ہے، مگر شاید ہی کوئی شخص خود کو شہادت دینے کے لئے پیش کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ سچی گواہی اگر اپنے عزیز و اقارب کے بھی خلاف ہو

تو ضرور دو۔ لیکن اس پر عمل شاذ ہی کوئی کرتا ہے۔ حالانکہ عمل بالمعروف اور نہی عن المنکر: یعنی نیکی کا حکم کرنا اور بدی سے منع کرنا قرآنی حکم ہے اسے ہر مومن کے لئے ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے:

"مسلمان مرد اور عورتیں دونوں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو نیک کاموں کے لئے کہتے رہتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں"

(التوبہ: ۷۱)

پھر عوام کو حکم دیا گیا:

"تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو اور گناہ اور سرکشی میں مدد مت کرو۔"

(المائدہ: ۳۱)

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر و نہی کی بجا آوری کو افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

"تمہارا اچھی بات کے لئے کہنا اور بری بات سے روکنا نماز ہے"

اس فریضہ سے کوتاہی کرنے والوں اور غفلت برتنے والوں کو سخت سرزنش کی گئی ہے، انھیں مستوجب عذاب گردانا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر تمام قوم ہی اس سے غافل ہو جائے تو اس پر قہر الٰہی کا نزول ہونے کی وعید آئی ہے

"تم تمام نوعِ انسانی میں سب سے بہتر امت ہو اسلئے کہ نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو"

(القرآن سورۃ نساء)

الغرض امت مسلمہ کے شرف کا باعث یہی اصل الاصول ہے، کہ وہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سختی سے پابندی کرے ــــ ورنہ عذاب الٰہی کے لئے تیار رہے۔

اب ہر جگہ اور ہر وقت یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہم من حیث القوم اس فریضہ کو نظر انداز کر رہے ہیں، بلکہ اس کی ادائیگی سے قطعاً غافل ہو چکے ہیں، اس لئے یہ ضروری ہوا کہ:

اعلائے کلمۃ الحق یا بالفاظ دیگر کلمۃ الحق کے اعلان کرنے کی اہمیت قوم پر واضح کی جائے، اور ان کی حقیقت و ضرورت سے اسے روشناس کرایا جائے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب سے بچ سکیں۔

میں نے خود ہی اس بارِ عظیم کو اپنے ذمہ تو لے لیا مگر اسے کماحقہٗ عہدہ برا ہونے سے میں قاصر رہا۔ اس لئے اس کی تکمیل کے لئے ایک فاضل اجل اور مرد مومن کی تلاش کرنی پڑی، جوئندہ یابندہ کے تحت علامہ پروفیسر منظور احسن عباسی کے در پر جا دستک دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے، میری آواز پر انھوں نے لبیک کہا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ کتاب "اعلائے کلمۃ الحق" ان کی کد و کاوش اور ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے ــــ جزاھم اللہ احسن الجزا: اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق عنایت کرے کہ وہ بے باکی سے محض لمرضات اللہ کلمۂ حق امر و نہی بلند کریں اور قصر جور و استبداد میں ایک زلزلہ بپا کر دیں، اس طرح ملت اسلامیہ کو بام عروج پر پہنچا دیں۔ آمین۔

اختر احسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلائے کلمۃ الحق

اعلائے کلمۃ الحق کی اہمیت

اسلامی تاریخ اعلائے کلمۃ الحق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے معاشی۔ سیاسی اور اخلاقی دوائرِ عمل اور اُن کے انفرادی و اجتماعی ضوابط سے بھری پڑی ہے ـــ کوئی اچھی بات ایسی نہیں جسکا حکم کتاب و سنت میں موجود نہ ہو، اور کوئی بری بات ایسی نہیں جس سے منع نہ کیا گیا ہو۔ پھر اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین۔ علمائے خیر۔ سلاطین و امرائے عادل ـــ اور صوفیا و بزرگانِ دین کے طرزِ عمل اور اُن کے کارناموں سے ایک مکمل ضابطۂ امر و نہی کی تدوین اسلامی ذخیرۂ تالیفات میں موجود ہے اوراقِ آئندہ پر ان کا جستہ جستہ ذکر ضروری تفصیل کے ساتھ درج ہے اور ان سب کا خلاصہ قرآنِ حکیم کی سب سے آخری کی سورۂ والناس میں بتا دیا گیا ہے :

اس سورۂ شریفہ کی ۶ آیات ہیں جنکے منجملہ ۵ آیات میں الناس کا لفظ آیا ہے اور اس نسبت سے اس کا نام بھی سورۃ الناس رکھا گیا۔ بظاہر اس اسم کو مسمّیٰ سے بہت گہری نسبت ہے، کیونکہ اس میں انسان کے ہمہ جہتی مسائل کا ایک اصول بتایا گیا ہے۔

انسانی مسائل کی تین قسمیں

انسانی تاریخ کے آغاز سے آجتک ابنائے نوع کو جن مسائل سے دوچار ہونا پڑا ہے، ان کی تین قسمیں ہیں۔

معاشی مسائل ، سیاسی مسائل اور اخلاقی مسائل

انسان کے معاشی مسائل

معاشی مسائل اسی وقت سے معرضِ وجود میں آئے جبکہ اللہ تعالےٰ نے انسانِ اول حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو خلعتِ وجود بخشا۔ انسان کی سب سے پہلی ضرورت خوراک اور مکان تھی۔ جسکے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ :

"ہم نے آدم کو کہہ دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونو جنت میں رہو اور بافراغت اس کے پھل کھاؤ، مگر فلاں درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہوگے" (بقرہ : ع۴)

رب الناس نے انسان کے معاشی مسئلہ کو پیدائش انسان کے ساتھ ہی حل فرمادیا۔ اس مسئلہ کے حل کی بنیاد بھی امر و نہی پر ہے کہ ایک شئے کے کھانے کا حکم دیا اور دوسری شئے کھانے سے منع فرمایا، اور یہ تسلی فرمائی :- اِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝

یعنی اس میں نہ تم بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے، نہ پیاس سے دوچار ہوگے اور نہ دھوپ میں جلو گے۔ یعنی

انسان کی تمام معاشی بنیادی ضروریات خوراک لباس اور مکان مہیا ہوں گے "۔

لیکن اس میں پیچیدگی اس وقت پیدا ہوئی جبکہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی ، اور ابتک جب کبھی بھی اس حکم کی خلاف ورزی کی جائے گی ، معاشی دشواریاں ابھرنے لگیں گی ۔ چنانچہ آجکل کی معاشی دشواریوں کی جڑ بھی احکام الٰہی سے انحراف کرنا اور اسکے قطعاً برخلاف وسائل معاش کا اختیار کرنا ہے ۔ ذرائع پیداوار کا ناجائز استعمال ، احتکار ، گراں فروشی ، تطفیف (بے ایمانی) ، خاورڈ ، ناجائز درآمد و برآمد وغیرہ ، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں احکام الٰہی کے منافی ہیں اسی لئے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ :

قل اعوذ برب الناس

" یعنی کہو کہ میں انسانوں کے پرورش کنندہ کی پناہ مانگتا ہوں "

لفظ " قل " دو مفہوموں پر مشتمل ہے ۔ اعتراف اور اعلان یعنی اقرار کرنا اور اسکا اعلان کرنا ۔ اور آیت میں ارشاد ہے کہ : تم اس بات کو مانو اور دوسروں کو بھی جتا دو کہ انسانی معاشی مسائل کا حل کلیۃً اس کے پاس ہے جو انسانوں کا پرورش کنندہ ہے ۔ اور اسی طرح حل ہو سکتا ہے جس طرح آدم کی مشکلات حل ہوئی ۔ قرآن کریم میں مذکور ہے ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں رجوع الی اللہ کا طریقہ سکھایا کر دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالےٰ سے التجا کی کہ :

" اے ہمارے پروردگار ہم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے ، اگر تو نے ہماری خطا کو معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے خرابی ہی خرابی ہے " (بقرہ ع ۴)

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

اس آیت میں لفظ "رب" معنی خیز ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے معاشی مسائل کا حل وہی کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں معاشِ انسان کی کنجی ہے۔ وفی السماء رزقکم کا بھی یہی مطلب ہے کہ حصولِ معاش تمہارے اپنے اختیار میں نہیں ہے بلکہ رزق آسمان سے نازل ہوتا ہے کیونکہ:

ہر آنکہ زرع و نخل آفرید و روزی داد
ہماکہ بخوردن روزی ہمو فرستادہ است (سعدیؒ)

قرآن حکیم کے دوسرے مقامات پر بھی فراخی رزق کو طاعتِ حق پر منحصر فرمایا گیا ہے۔ ورنہ حصولِ رزق کی ہر ممکن کوشش بے نتیجہ ثابت ہوگی۔

حیاتِ انسانی کا دوسرا مسئلہ سیاسی ہے!

معاشی مسائل کی طرح انسان کے سیاسی مسائل بھی احکامِ الٰہی سے روگردانی کا نتیجہ ہوتے ہیں: ظلم، جبر، تکبر، استحصال اور حق تلفی و ناحق شناسی وغیرہ سیاسی مسائل کی بنیادیں ہیں۔ قرآن و حدیث میں جنکی سخت ممانعت آئی ہے۔ یہ بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول کو نظر انداز کرنے کے نتائج میں سے ہے۔ بادشاہ جب عوام الناس کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کر دیتا ہے تو اس کا نتیجہ سرکشی، بغاوت اور اندرونی خلفشار کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ عدل و مساوات اس کا علاج ہے۔ اور اس کا طریق کار یہی ہے کہ امراء و ملوک فرمانِ الٰہی کے مطابق حکم دیں اور رعایا احکامِ الٰہی کی طرح اس کی بجا آوری کریں۔ یعنی راعی اور رعایا دونوں اپنی مشکلات سے نجات پانے کیلئے اللہ کی پناہ کے طالب ہوں۔ قل اعوذ برب الناس کے بعد ملک الناس

کا مقصد یہی ہے۔ اور اس آیت میں لفظ مَلِک معنی خیز ہے۔ یعنے کوئی سیاسی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسانوں کے مَلِک (بادشاہ) کی حمایت نہ ہو۔ کیونکہ سیاسی مسائل کا حل صرف بادشاہِ مختار پر منحصر ہے۔ لیکن اگر بادشاہ خود مجبور ہو تو کوئی سیاسی مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اس بادشاہ کی پناہ میں آنے کا حکم ہے جو تمام انسانوں کا مالک ہے۔ اور اسکی پناہ میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب امر کے احکامات کو نظر انداز کر کے صرف اسی کا حکم مانا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بادشاہ مالکِ حقیقی کی خوشنودی کے خلاف حکم دیتا ہے نہ اس کا اقتدار باقی رہتا ہے نہ اس کا ملک۔ ظالم و جابر بادشاہ کا اقتدار بالفاظ اقبال "شاخ نازک کا آشیانہ ہے" یعنی ناپائدار ہو ہر ایسے حکمران کی پیدا کی ہوئی الجھنوں کا علاج انسانوں کے مالکِ حقیقی کی پناہ میں آنا اور جابرانہ و ظالمانہ یا غیر عادلانہ نظام حکومت کی اطاعت سے منہ موڑ کر حقیقت پسندانہ راہ پر چلنے کے سوا نہیں ہے۔

حیاتِ انسانی کا تیسرا مسئلہ اخلاقی ہے

اخلاقی مسائل میں سب سے بڑی اہمیت مذہب کو حاصل ہے۔ کوئی بھی عمل جس کو مذہب کی حمایت حاصل نہ ہو اخلاقی عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور مذہب کی بنیاد اللہ کے تصور سے وابستہ ہے۔ بغیر تصورِ خدا کے نہ مذہب ہو سکتا ہے اور نہ مذہب کے بغیر اخلاقی اقدار کا تعین ممکن ہے۔

بلاشبہ کرہ ارضی پر ایسی اقوام کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو اللہ کے صحیح تصور سے بیگانہ ہیں۔ لیکن معبودِ حقیقی کے ایک لاشعوری

تصور سے کسی فردِ واحد کا قطعاً بیگانہ ہونا ناقابلِ فہم ہے۔ بلکہ بعید از قیاس ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی وہ قومیں ہیں جو انسانی شرف کی علمبردار اور انسانی حقوق و مساوات کی حامی ہیں۔ لیکن اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ انسانی شرف و تقدس کا اصول کس نے متعین کیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بڑی مچھلی جب چھوٹی مچھلی کو کھا جانے کا حق رکھتی ہے۔ یا ایک درندہ جانور چرند و پرند کے شکار سے اپنا پیٹ بھر سکتا ہے تو ایک انسان دوسرے انسان کو اپنی غذا کیوں نہیں بنا سکتا؟ پھر برادرانہ و خواہرانہ یا پدرانہ و دخترانہ رشتوں کا احترام کیوں ہے؟ شکاری جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو فریب کیوں نہیں دیا جا سکتا۔ یہ مساوات انسانی کا فلسفہ کیا بلا ہے اور کہاں سے آیا۔ فطرت کا ذکر بے معنی ہے۔ کیونکہ اس نظامِ مساوات میں بھی بے شمار فطری تقاضوں کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس نظامِ زندگی میں جہاں کوئی اچھی بات ہے وہ ایک معبود کے لاشعوری تصور کا رہینِ منت ہے۔ اور جہاں کوئی خرابی ہے وہ اس تصور سے بیگانگی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے معبودِ حقیقی نے قل اعوذ برب الناس ہ ملک الناس کے ساتھ الٰہ الناس کے اعتراف و اعلان کا حکم دیا ہے۔ یعنی جب کوئی اخلاقی الجھن پیش آئے تو انسان کو چاہیئے کہ انسانوں کے معبود کی پناہ میں آئے۔

حیاتِ انسانی کے خلل انداز

انسانی زندگی کے سرگونہ مسائل کی پیچیدگیوں کا سبب بھی وہی ہے جو ازل میں حضرت آدم کو پیش آیا۔ یعنی شیطان کا فریب جس نے احکام الٰہی کے خلاف عمل کرنے کو عین منشاءِ الٰہی کے مطابق ثابت کرنے

کے لئے اللہ کی قسم کھائی اور آدم وحوا کے دل کو وساوس کی جولانگاہ بنادیا۔ اسوقت شیطان کی ایک ہی صنف موجود تھی جس نے آدم وحوا کو ورغلایا اور ان کے لئے پہلے معاشی مسئلہ پیدا کیا اس کے بعد سیاسی اور اخلاقی مسائل پیدا کئے۔

ان سیاسی اور اخلاقی مسائل کی بنیاد مطیع برحق کی اطاعت سے نافرمانی تھی۔ جسکو قرآن حکیم نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ یا نائب، بنایا۔ اور ملائکہ کو ان کے سامنے سر جھکانے یا ان کے مطیع ہونے کا حکم دیا لیکن شیطان نے سرکشی کی۔ سرکشی ہی کا دوسرا نام عداوت ہے۔ اور جب انسان کا خطہ ارض پر آیا تو اس کا دشمن بھی ساتھ کے ساتھ آیا

اھبطو ابعضکم لبعضٍ عدوٌ (اعراف ع ۲)
یعنی اب تم خطہ ارض پر جاؤ۔ تم میں باہمی عداوت ہمیشہ رہے گی۔

زمین پر آنے کے بعد خود انسانوں میں سے بھی بعض اشخاص شیطان کے ہمنوا ہو گئے اور انھیں بھی زمرۂ شیاطین میں شمار کیا گیا۔

ان حقائق کے پیش نظر انسان کے سیاسی اور اخلاقی مسائل کا حل دریافت کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اس سورۃ الناس میں آخری آیت میں من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس ہے۔ یعنی انسان کو چاہیئے کہ اس امر کا اعتراف واعلان کرے کہ انسان در پردہ یا لاشعوری طور پر وسوسہ ڈالنے

والوں سے خواہ وہ انسان ہوں یا جنات (شیاطین) سے بچکر اللہ کی حمایت میں آنا چاہیئے۔ تب ہی وہ جملہ مسائل حیات سے خواہ وہ معاشی ہوں یا سیاسی یا اخلاقی نجات پاسکتا ہے۔ اس اصول کو نظر انداز کرنے والا انسان ہرگز خرابی اور خسارے سے نہیں بچ سکتا۔

آفاقی مسائل

یہ نہایت مختصر سورۂ پاک حیات انسانی کے انفسی مسائل کے بنیادی حل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے بھی مختصر ایک دوسری سورت میں جس کا نام سورۂ والعصر ہے۔ حیات نوعی کے مسائل انفسی و آفاقی کے حل کا مکمل ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

یعنی زمانۂ گذران شاہد ہے کہ انسانی زندگی کا ہر لمحہ ضائع ہوتا جا رہا ہے۔ البتہ وہ لوگ اس ضیاع سے محفوظ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے اور پھر باہمی طور پر امر حق کی تلقین کی۔ اور مشکلات کی پرواکئے بغیر اس پر ڈٹے رہنے کا حکم دیا۔ گویا حیات انسانی کی کامیابی دو باتوں پر موقوف ہے۔ ذاتی اصلاح اور اعلائے کلمۃ الحق یا امر بالمعروف۔

یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں نہ ذاتی اصلاح کی طرف توجہ دیجاتی ہے اور نہ امر بالمعروف کی جانب۔ اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

اُمتِ مسلمہ کی

سب سے بڑی فضیلت

امت مسلمہ کے فضائل میں سب سے زیادہ نمایاں امر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر فردِ ملت کو قطع نظر اس سے کہ وہ مرد ہے یا عورت - عالم ہے یا جاہل - صاحب مال ہے یا محتاج - با اختیار ہے یا بے بس - بلکہ نکوکار ہے یا گنہگار قیادت و احتساب کا منصب عطا فرمایا ہے اور اس فرض کی انجام دہی کو امت مرحومہ کے فضل و شرف کا موجب قرار دیا ہے -

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۝

"یعنی تم - نوع انسانی میں سب سے بہتر ہو بایں لحاظ کہ نیکیوں کا حکم دیتے ہو - اور بری باتوں سے منع کرتے ہو -"

(مفہوم سورۃ نساء ع ۸)

گویا امت اسلامیہ کے شرف و منزلت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو - نہ صرف یہی بلکہ وجہ شرف کے اس پہلو کو نظر انداز کرنے والوں کے بارے میں

سخت وعید آئی ہے ۔

" تفہیم الٰہی جو کی گئی لوگ اسے بھول گئے ۔ تاہم اُن لوگوں کو جو برائی سے دوسروں کو روکتے ہیں ہم نے عذاب سے بچا لیا اور جنھوں نے ظلم کیا (عدول حکمی کی) وہ عذاب سخت میں پکڑے گئے "

یعنی جسطرح منصب ہدایت و قیادت پر قائم رہنا مستوجب شرف ہے، اسی طرح اس کے فرائض سے غافل ہونا موجب قہر و عذاب الٰہی ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے :

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء : ۱۱۴)

یعنی لوگوں کی سرگوشیوں میں کوئی خوبی نہیں، سوا اس صورت کے جبکہ اس میں صدقہ، حسن سلوک اور عوام کی بہتری کیلئے کہا جائے ۔ اگر خوشنودئ مولا کے پیش نظر یہ کچھ کیا جائے تو ہم اس کا بہت بڑا اجر دینگے "

نجوىٰ (سرگوشیوں) سے مراد ہر ایسی مجلس ہے جو مخصوص مقاصد کے لئے اور خاص نمائندوں پر مشتمل منعقد کی جائے ۔۔ ایسی تمام جماعتیں یا سوسائٹیاں جن کا مقصد عوام کے اخلاق و عادات کو سدھارنا اور معاشرہ کو بہتر بنانا ہو، خدا کے نزدیک مستحسن ہیں، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کی تشکیل ایک فرض کفایہ

ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔

گنہگار بھی تبلیغ کر سکتا ہے!

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فریضۂ امر و نہی کی بجا آوری کو ایک مستقل کارِ نیک قرار دیا ہے، یہاں تک کہ امر بالمعروف کے باب میں یہ ضروری تصور نہیں کیا گیا کہ وہی شخص امر بالمعروف کا منصب رکھتا ہو جو خود اس پر عمل پیرا ہو، بلکہ وہ فرماتے ہیں:

"للفاسق ان یحتسب"۔ (احیاء ج ۲ ص ۳۹۹ مطبوعہ قاہرہ)

یعنی فاسق کو بھی حق ہے کہ وہ دوسروں کو بری بات سے روکے"۔

تاہم انھوں نے یہ تسلیم فرمایا ہے کہ جب تک انسان خود کسی عمل پر کاربند نہ ہو اسکا احتساب مؤثر ثابت نہیں ہوتا۔

ہر مسلمان راعی ہے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فردِ ملت کو راعی (محافظ و نگہبان) فرمایا ہے اور یہ تنبیہہ فرمائی ہے کہ ہر ایک سے اسکی رعایا کی بابت (یعنی ان کے تحفظ کے فرائض کی انجام دہی کے بارے میں) بازپرس ہوگی۔ ظاہر ہے کہ راعی (محافظ) وہ ہے جو اپنی رعیت کو تباہی اور بربادی کے قعر مذلت سے بچائے اور بہترین راعی وہ ہے جو اپنے زیرِ اثر افراد کو بچانے کی کوشش میں لگا رہے اور ہر اُس طریقہ کو اختیار کرنے پر آمادہ کرتا رہے۔ جو فلاح و نجاتِ اخروی کا ذریعہ ہے۔

اِسلامی معاشرہ میں ہر سربراہ اپنے ماتحتوں کا راعی ہے۔

بڑی عمر والا چھوٹی عمر والے کا ــــ عالم جاہل کا ــــ اہلِ جاہ بیکسوں کا ــــ قوی کمزور کا ــــ غنی مساکین و فقراء کا ــــ خاوند بیوی کا ــــ بیوی افراد خانہ کی ــــ آقا نوکروں کا ــــ نوکر سپرد کردہ مال کا ــــ اور اسی طرح ہر وہ شخص جسے دوسروں پر کسی نوع کی فوقیت حاصل ہے، وہ راعی ہے اور اس پر اپنی قوت و اختیار کو لازمی طور پر اس مقصد کے لئے استعمال میں لاتا ہے جس سے اسکے زیر اثر افراد کی دنیا و آخرت سنور جائے۔

پھر حیثیات کے اختلاف کی بنا پر ایک فرد راعی بھی ہو سکتا ہے اور رعایا بھی، چنانچہ صاحب مال وجاہ "مال وجاہ کی حیثیت سے اہلِ علم و فضل کا راعی ہے۔ لیکن دولتِ علم و فضل کے لحاظ سے خود اہلِ علم و فضل بھی صاحب مال وجاہ کا راعی ہے۔ لہذا اول الذکر کا فرض ہے کہ وہ علماء کو ضائع ہونے سے بچائے ــــ اور ثانی الذکر کا فرض ہے کہ وہ اہلِ جاہ کو خسران سے محفوظ رکھے کیونکہ جس طرح مال ایک آفت ہے اسی طرح علم بھی ایک آفت ہے اور اس سے بچنا ہر شخص پر واجب ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونوں ایکدوسرے

کے کارساز اور معاون ہیں کہ وہ باہم ایک دوسرے
کو نیک کاموں کے لئے کہتے رہتے ہیں اور برائیوں سے
روکتے ہیں"۔ (توبہ ــ ۷۱)

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہٗ
بعضا۔ (بخاری و مسلم بروایت ابوموسیٰ اشعری)

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں ایک تعمیر کی
مانند ہے جسکے مختلف حصے ایک دوسرے کا سہارا
اور تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔"

منظم تبلیغ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جہاں ہر فرد ملت کا ایک فریضہ
قرار دیا گیا ہے وہاں اس کے لئے ایک مستقل تنظیم کے اجراء کا بھی
حکم قرآنِ حکیم میں موجود ہے کہ :

"(اے مسلمانو!) تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے
جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام
کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع
کرے۔ ایسے اشخاص ہی نجات پانے والے ہیں"
(ترجمہ آل عمران ۳:۱۰۴)

گویا آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنکر کی ایک مستقل جماعت کی تشکیل بھی بجائے خود ایک فریضہ ہے۔ پھر ایسے اشخاص کے خصوصی فرائض کی بھی تعین فرما دی گئی ہے کہ :

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک پر دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں۔"

(الحج : ۴۱)

گویا ان کے فرائض دو طرح کے ہیں : ایک کا تعلق اصلاحِ نفس سے ہے اور دوسرے کا اصلاحِ معاشرہ سے، اور یہ صاف اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ جو لوگ اصلاحِ نفس نہیں کر سکتے وہ اصلاحِ معاشرہ کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے :

عوام کا فرض

اسکے ساتھ عوام پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ : ۲)

یعنی تم سب کا فرض ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم اعانت کرو اور گناہ و سرکشی میں اعانت نہ کرو۔"

اِن آیات پر یکجائی نظر ڈالنے سے واضح ہے کہ امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کے فریضے کی انجام دہی میں ذکر و فکر اور قوت و اقتدار دونوں کا دخل ہے اور دونوں کے باہمی تعاون ہی سے معاشرہ کی اصلاح اور انسانی مقاصد کی تکمیل ہو سکتی ہے

چنانچہ ارشاد باری ہے:

آخر ان مشائخ اور علماء کو کیا ہو گیا کہ گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے منع نہیں کرتے ۔ ان کا طریق کار بہت برا ہے" (مائدہ ۶۳)

اور دوسری جگہ یہودیوں کے اہل امر کو تنبیہ ہے کہ:

"تم لوگوں کو کہتے ہو کہ نیکی کرو اور اپنی خبر نہیں لیتے"۔ (البقرۃ ۵)

یہ اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ اہل امر کو خود بھی اپنی اصلاح لازم ہے بعض احادیث میں ان لوگوں سے جہاد کا حکم ہے جو فتنہ و فساد سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ یعنی فریضۂ نہی عن المنکر کے بجالانے میں پہلو تہی کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ تمام اعمال خیر بشمولیت جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے بحر ذخار میں ایک کف دہن ۔ (منقول از احیاء العلوم ج ۲ بحوالہ کتاب الطاعۃ والمعصیۃ بروایت علی بن معبد)

نہی عن المنکر کا طریق کار

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے جو طریق کار یا دستور العمل

تجویز فرمایا ہے وہ یہ ہے :

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ و ذالک اضعف الایمان (مسلم بروایت ابوسعید مرفوعاً)

یعنی جو شخص کسی ناپسندیدہ حرکت کو دیکھے تو لازم ہے کہ اسے ہاتھ سے (یعنی اپنے اختیار و اقتدار سے کام لے کر اس کام سے) روکے۔ اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو زبان سے منع کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا جانے، لیکن یہ آخری صورت اس کے ایمان کے نہایت کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ :

"ایک شخص کی گرفت دوسرے کے اعمال پر نہ ہوگی۔ تاہم ایک صورت ایسی بھی ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کے بد اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے اور وہ یہ کہ لوگ کسی شخص کے ناپسندیدہ فعل کو دیکھیں اور وہ اسے اس کام سے باز رکھ سکتے ہوں اور منع نہ کریں (تو وہ بھی قابل بازپرس ہوں گے)

(منقول از احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۹۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص دیکھتا ہے کہ کلمۂ حق کہنے کا موقع ہے اور نہیں کہتا تو قیامت کے روز اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے وہ بات کیوں نہ کہی؟ وہ کہے گا کہ میں نے لوگوں کے ڈر سے نہیں کہا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ڈرنا تو مجھ سے چاہیے تھا۔ (ابن ماجہ)

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

پھر اسکے بعد ایسے زمانے کی خبر دی گئی ہے جو اس عمل سے غفلت کے باعث نہایت ناخوشگوار و مردود قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک دورِ نابکار

جس عہد کی خبر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس کی اصل بنیاد اس فریضہ سے غفلت اور روگردانی ہے۔ جس کے نتائج افرادِ ملت کے لئے نقصان دہ اور معاشرہ کے لئے تباہ کن ہیں بدقسمتی سے موجودہ دور بالکل اسی دورِ نابکار کی تصویر پیش کرتا ہے جو حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بعد تقریباً ۶ سو سال تک تمام دنیا پر ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے کیطرح چھایا رہا ۔۔۔ سورج کی چمک ختم ہوگئی تھی ۔۔۔ چاند کی چاندنی مدھم پڑ گئی تھی ۔۔۔ کائنات میں کوئی روشنی نہ تھی ہر چیز دھندلی ہو کر رہ گئی تھی، مظاہر قدرت پر ایک گہرا پردہ پڑ گیا تھا۔ بے یقینی اور تذبذب کا عالم تھا۔

لیکن یہ سب کچھ خود فقدانِ بصیرت یا شمع ہدایت سے محرومی کے نتائج ہیں سے تھا۔ قرآن حکیم نے اس کیفیت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ:

> "آنکھیں تھیں لیکن نورِ بصیرت سے عاری ۔۔۔ کان تھے لیکن قوت سماعت سے بے بہرہ ۔۔۔ ذہن و فکر کی تمام قوتیں موجود تھیں لیکن صلاحیت عمل سے عاری تھیں"

آخر ایک وقت آیا کہ قدرت حق نے سمع و بصر کے اس فقدان ۔۔ اور فکر و نظر کے اس بطلان کو دور کرنے کے لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ

علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ کتاب الٰہی ایک عالمگیر اور ابدی نور کی طرح بشکل وحی ختم المرسلین ؐ پر نازل ہوئی اور بار بار آنکھوں کو دیکھنے ۔ کانوں کو سننے اور قلوب کو حرکت میں لانے کے لئے برانگیختہ کیا اور اسی کا نام زندگی قرار پایا۔

قرآن مجید کی اصطلاح میں بعثت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد اسی طرح کی زندگی عطا کرنا قرار دیا گیا ہے ، اور اس کا طریق کار بھی یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا :

یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

(اعراف ع ۱۹)

یعنے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے باز رکھتے تھے "

—— یہی منصب تمام انبیاء علیہم السلام کا تھا ——

بعثت ختم المرسلین ، دراصل تکمیل نبوت کا دوسرا نام ہے

تھا کام نبیوں کا فقط دین کی تکمیل
جب دین مکمل ہوا تکمیل ہوئی بند

اب تکمیل بند ہے لیکن تائید ہمیشہ ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی — اور یہ تائید و توثیق و تنظیم و تبلیغ کا فریضہ بالعموم ہر فرد مسلم پر عائد ہوتا ہے اور اسی طرح ہر فرد مسلم کو دینی قیادت کا منصب عطا ہوا

اصلاح ملت کا کام

یاد رہے کہ جسطرح بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا انحصار انبیاء کی تعلیم پر ہے اسی طرح ملت اسلامیہ

کی فلاح و بہبود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ زمانہ نے ایک بار پھر ہمیں دورِ جاہلیت کی تاریکیوں میں دھکیل دیا ہے۔ ظلمت کا یہ دور پہلی بار نہیں آیا۔ تیرہ سو سال کی مدت میں مسلمانوں پر کئی بار آچکا ہے۔

اور ہر بار مجددینِ امت اور علمائے ملت نے اسکی تاریکیوں کو مٹانے کی کامیاب کوششیں کیں، اب پھر وقت کا تقاضا ہے کہ ملتِ اسلامیہ منفرداً و اجتماعاً اس فریضہ کی انجام دہی اور اعلائے کلمتہ الحق کے لیئے اٹھ کھڑی ہو!

نظامِ کار اس مقصدِ عظیم کو حاصل کرنے کے لیئے ہر فردِ مسلم کو اس نظامِ دعوت و فکر پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ جسکا ڈھانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار فرمایا، اسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے البتہ طریق کار کے لئے مفید، اور حقیقت پسندانہ دائرِ عمل متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلا قدم ——— اِصلاحِ نفس

انفرادی اصلاح کی تعمیر کیلئے خشیت، اوّلین ایمان باللہ ہے اعمالِ صالحہ کی پوری عمارت اسی پر قائم ہے کیونکہ ارشاد الٰہی کے مطابق کوئی کام خواہ وہ کتنا ہی خوشگوار نظر آتا ہو ایمان کے بغیر تلف، رائیگان اور بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسانی صلاحیتوں کی بڑی سے بڑی کامیابی انجام کار خسرانِ عاقبت پر منتج ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں اس کو حبطِ اعمال سے تعبیر فرمایا گیا ہے:

لیکن اعمال صالحہ کا قرآنی تصور وہ ہے جس میں خسران اور ناکامی کا کوئی شائبہ متصور نہیں ہے۔ اعمال صالحہ کی جزئیات کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ اس کا احصار ممکن نہیں۔ انسانی زندگی کی جملہ حرکات و سکون اور اقوال و افعال کے لئے نہایت حکیمانہ حدود متعین ہیں جنکو حدود اللہ کہا جاتا ہے۔ ان حدود کا ملحوظ رکھنا ہی عمل صالح ہے۔

اعمال صالحہ کی اہمیت

اعمال صالحہ کی بنیادی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے قرآن حکیم کی روشنی میں اسکی وسعت اور اہمیت پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے جن و انس کے تخلیق کی غایت اس مختصر سی آیت میں بیان فرما دی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

"کہ میں نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"

جن الفاظ میں عبادت کا حکم دیا گیا ہے اس سے عیاں ہے کہ انسان کو عبادت کے سوا کسی اور کام کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر عبادت اور صرف عبادت انسان کا مطمح نظر نہیں تو وہ اللہ سے باغی اور اسکا نافرمان ہے۔ پس مسلمان وہ ہے جسکا ہر عمل عبادت ہے اور بندۂ مومن کا ہر وہ عمل عبادت ہے جسکی اسلام نے اجازت دی ہے۔ اور ہر ایسے عمل سے پرہیز کرنا عبادت ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔

پس اللہ کے نزدیک وہی شخص اکرم و اشرف ہے، جو

معصیت سے بچنے والا ہو — اسی کو متقی کہتے ہیں۔ ناروا افعال
سے بچنا ہی کا ہر قسم کے خسارے سے نجات پانا ہے۔ پہلی قسم کے
افعال اصطلاحِ شرع میں اوامر اور دوسری قسم کے افعال کو
نواہی کہا جاتا ہے۔ پھر اوامر کی دو قسمیں ہیں!
ایک وہ اعمال و افعال جن کی بجا آوری کا حکم ہے!
اور دوسرے وہ اعمال و افعال جن کا حکم نہیں ہے لیکن ممانعت بھی
نہیں ہے۔ اول الذکر کی بجا آوری ترقیٔ درجات کا موجب ہے، اور دوسری
قسم کے اعمال، مومن کو قعرِ مذلت میں گرنے سے بچائے رکھتے ہیں۔ شریعت
اسلامیہ میں ایسے افعال کی عام اجازت ہے تاہم جملہ اوامر و نواہی اپنے
اثر و افادہ کی حیثیت سے مختلف مدارج رکھتے ہیں۔

اعمال کی مختلف حیثیتیں

اعمال صالحہ میں جن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کو خالص عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں
نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ان کے لوازمات ہیں۔ ان کے بعد وہ اعمال
حسنہ ہیں جن کے بجالانے کی ترغیب کتاب و سنت میں مذکور ہے، ان
میں سب سے پہلے نیک نیتی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حصول علم، اور
اس کی ترویج و توزیع کے اسباب کی فراہمی، پاکیزگی و نظافت کے
قواعد ایثار، حسنِ معاشرت، مراعاتِ حقوق۔ طلب رزق حلال —
خوش خلقی۔ حیا۔ رواداری۔ خندہ پیشانی۔ کثرتِ سلام۔ بردباری
ایفائے عہد، پاسِ زبان، خوئے درگزر، صحبتِ علماء و صلحاء، مراعاتِ
آداب و کلام نشست و برخاست و طعام و سفر و حضر، حسن سلوک با والدین

انصاف پسندی اور دوسرے تمام امور جن کا تعلق تدبیرِ منزل یا اخلاق و سیاست سے ہے، اعمال حسنہ کے زمرہ میں آتے ہیں اور ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ دوسروں کو ان پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کرے۔

اخلاقی نفسیات کے تین شعبے

حکمائے نفسیات نے تعمیرِ اخلاق کی تین بنیادیں قائم کی ہیں جنکو عفت۔ شجاعت اور عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کا ذکر... بالاستیعاب سطورات میں آیا ہے۔ یہاں پر قرآن حکیم کی روشنی میں عامۃ الورود ضروری اعمال حسنہ کا ذکر مناسب ہوگا۔

قلب و زبان کی ہم آہنگی

سورۂ بقرہ کے ع ۵ میں اُن لوگوں پر سخت تعریض ہے جو دوسروں کو نیک کام کی ترغیب دیتے ہیں لیکن اپنی خبر نہیں لیتے:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ

حدیث میں آیا ہے کہ روز جزا اہل جنت بعض دوزخیوں سے کہیں گے کہ بخدا ہمیں تمہاری نصیحت پر عمل کرنے سے جنت نصیب ہوئی۔ تم کو کیا ہوا کہ دوزخ میں گئے۔ اس پر دوزخی جواب دیں گے: کہ ہمیں دوزخ میں اس لئے ڈالا گیا ہے کہ جو ہم کہتے تھے اس پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ (کبیر طبرانی ج ۱ ص۱۰۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

واعظوں سے قیامت میں ان کے پند و موعظت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ خود انہوں نے اس پر کہاں تک عمل کیا۔

حضرت مالک بن دینار اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے احساس
ذمہ داری سے زار و قطار رونے لگتے تھے (بیہقی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی مثال شمع سے
دی ہے جو دوسروں کو روشنی دیتی ہے اور خود سوخت ہو جاتی ہے
(منقول از ترغیب و ترغیب ج ۱ ص ۱۰۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ:
"وہ شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جسکے قلب و زبان
میں ہم آہنگی نہ ہو" (یعنی کہنا کچھ ہو کرتا کچھ ہو)

خوش خلقی اور نرم مزاجی

قرآن حکیم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کو اللہ کی رحمت فرمایا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران)

'یعنی اے پیغمبر یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ
نرم دلی کا برتاؤ کرتے ہو"۔

اور ارشاد ہے کہ: "ایسا نہ ہوتا تو لوگ تم سے وحشت
کرنے لگتے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے روز مومن کے پاس حسن خلق سے زیادہ گراں قدر کوئی شے نہ ہوگی"۔ نیز ارشاد ہے کہ: "مومن میں کامل ترین وہ شخص ہے جسکے اخلاق اچھے ہیں (ترمذی)

آپ نے بتایا ہے کہ خوش خلقی ہی نیکی ہے (مسلم و ترمذی)

خوش اخلاقی کا مرتبہ روزہ دار، شب بیدار کے برابر ہے" (ابوداؤد)

حضور کا ارشاد ہے کہ خوش کلامی اور خوش خلقی آسان ترین اور

بے صرف ترین عبادت ہے جو مشقت کے اعتبار سے ہلکی لیکن میزان اعمال میں بھاری اور زبان کے لئے آسان ہے (منقول از ترغیب و ترہیب منذری ج ۵ صہ ۹ تا ۸۲)

نیز حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

"شرافت کا معیار خوش اخلاقی ہے" — اور حسن خلق کی تعریف یہ بیان فرمائی کہ: "جہاں تک ممکن ہو غصہ نہ آنے دو، ایک اور جگہ فرمایا: "قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو خوش اخلاق ہوں گے"۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بذریعۂ وحی یہ حکم دیا تھا کہ اے میرے خلیل کافروں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی سے پیش آنا" (ایضاً)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ کَمَا اَحْسَنْتَ خَلْقِی اَحْسِنْ خُلُقِی۔ یعنی

"اے اللہ جہاں تو نے مجھے اچھا وجود عطا فرمایا ہے اچھے اخلاق بھی عطا فرما"

حضرت ابن عباس رضؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ خوش اخلاقی خطاؤں کو اس طرح پگھلا دیتی ہے جس طرح پانی برف کو" نیز ارشاد ہے:

"حُسنِ خلق عطیۂ الٰہی ہے اور اللہ جس کو نیک عطا فرمانا چاہے اسے اخلاقِ حسنہ سے نواز دیتا ہے"۔

نرم مزاجی نرم مزاجی بھی خوش خلقی میں شامل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ خود نرمی فرماتا ہے

اور نرم دلی کو پسند کرتا ہے (متفق علیہ)
نرم مزاجی بڑی گراں قدر شے ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ "جو مقاصد نرمی سے حاصل ہوتے ہیں وہ کبھی سختی سے حاصل نہیں ہو سکتے جو نرم دلی سے محروم ہے۔ وہ ہر نیکی سے محروم ہے۔ اللہ تعالےٰ جس گھر کی خیریت چاہتا ہے وہاں نرم مزاجی کا دخل ہوتا ہے"۔

عفو و درگزر

ایک حدیث متفق علیہ میں ہے کہ:
"ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لنفسہ فی شیء قط" — یعنی حضور ؐ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقامی کارروائی نہیں فرمائی"
نیز ارشاد ہے کہ تحمل اور رواداری دو چیزیں ایسی ہیں — جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔
حضرت انس رضؓ سے ایک واقعہ مروی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:
"میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اور حضورؐ کے جسدِ مبارک پر ایک نجرانی چادر تھی۔ جس کے حاشیے دبیز تھے۔ ایک اعرابی (دہقان) نے حضور کی چادر کو اس طرح کھینچا کر گردن مبارک پر رگڑ کا نشان ظاہر ہو گیا، اور کہا کہ آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی ایک چادر دلوایئے — آپؐ مطالبہ کی اس انوکھی صورت پر ہنس دیئے اور اسے ایک چادر عطا کیے جانے کا حکم دیا (متفق علیہ)
حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کسی شخص کے ساتھ غصہ کا مظاہرہ کیا جاوے اور وہ تحمل سے کام لے تو اللہ تعالےٰ پر اسکے ساتھ مہربانی کرنا واجب

ہو جاتا ہے۔" (اصبہانی بروایت عائشہ رض)

آپ نے نصیحت فرمائی ہے کہ جہالت کے عوض بردباری سے۔ ظلم کے عوض معافی سے اور بدسلوکی کے عوض حسن سلوک سے۔ اور قطع تعلق کے عوض ملاپ سے کام لو۔" (طبرانی)

تحمل کی مثال

حضرت امیر معاویہ رض نے کچھ لوگوں کے وظائف بند کر دیئے تھے۔ ایک روز جبکہ برسر خطاب فرما رہے تھے، ابو مسلم خولانی ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا:

"اے معاویہ! یہ مال جو تم نے روکا ہے نہ تو تمہاری اپنی کمائی ہے اور نہ تمہارے باپ کی۔"

اس پر حضرت امیر معاویہ رض کو غصہ آیا، لیکن صبر سے کام لیا۔ منبر سے اتر کر آنکھوں سے غائب ہو گئے، اور لوگوں کو کہہ گئے کہ ایسے ہی بیٹھے رہو۔ ایک ساعت کے بعد آپ نہا کر نکلے، اور فرمایا کہ:

اے ابو مسلم تو نے مجھ سے ایسی بات کہی جس سے مجھ کو غصہ آیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے ہی بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو غسل کر ڈالے چنانچہ میں اندر جا کر نہا آیا اور اب کہتا ہوں کہ ابو مسلم نے درست کہا کہ وہ مال نہ میری محنت کا ہے نہ میرے باپ کی محنت کا سو آؤ اور اپنے وظائف لے جاؤ۔"

حضرت امیر معاویہ کا یہ طرزِ عمل قرآنِ حکیم کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے : خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اعراف ع ۲۴)

یعنی "درگزر پر کار فرما ہو ۔ پسندیدہ بات کا حکم دے اور ناسمجھ اشخاص کی بات کو نظر انداز کر دے "۔

ہر چیز کو قرآن حکیم نے عادلانہ انتقام کی اجازت دی ہے :

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا !

یعنی " اگر ایذا رسانی کا بدلہ لینا چاہو تو بس اتنا ہی لو جتنی کہ تمہیں اذیت دی گئی ہے "۔

تاہم اس کے ساتھ ہی ارشاد ہے :-

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (النحل ع ۱۶)

یعنی اگر تم تحمل سے کام لو تو اہل تحمل کے لئے یہی بہتر ہوگا

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضور ؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضؓ کی لاش کو دیکھا جن کے اعضاء ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے گئے تھے آپ نے کہا کہ اس کے عوض ستر مشرکین کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے ۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر نازل ہوئے اور اس طرح اسلام کے آئینِ مروت و رافت میں چار چاند لگ گئے ۔

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک

سورۃ بنی اسرائیل کے تیرے رکوع میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے : کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ ۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھاری زندگی میں عمر رسیدہ ہو جائیں ، تو انھیں اُف (ہُوں) تک نہ کہنا اور درشتی کے ساتھ پیش آنے سے باز

رہنا۔ ان کے ساتھ نرمی سے بولو اور عاجزی کے ساتھ خدمت کرتے رہو، اور اللہ سے ان کے لئے دعا کرتے رہو کہ پروردگار! جسطرح بچپن میں انھوں نے شفقت کے ساتھ ہماری پرورش کی تو بھی ان پر اپنا کرم فرما۔"

غرض ماں باپ کی اطاعت ان کا احترام اور خدمت اسلامی معاشرے کی لابدیات میں سے ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ طلحہ بن معاویہ السلمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد میں شرکت کا عزم ظاہر کیا ارشاد ہوا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! حضور نے فرمایا: الزم رجلها فثمّ الجنة (طبرانی)

یعنی اس کے قدموں میں رہ کہ وہیں جنت ہے

یہی واقعہ معاویہ بن جاہمہ کے ساتھ بھی ہوا۔ (ترمذی)

حضرت ابن معامہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والدین کے حق کی بابت دریافت کیا، ارشاد ہوا

هما جنتك و نارك :(یعنی وہ تیری جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی)"

مطلب یہ ہے کہ انھیں خوش رکھا تو جنت کا مستحق ہے ناراض رکھا تو جہنم میں جائے گا۔

حضرت امام بن مالک سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ:
جو شخص چاہتا ہے کہ زیادہ عمر پائے یا اس کے رزق میں فراوانی ہو، اُسے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنی اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لینا

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

چلے بیٹے اور فرمایا : مبارک ہے وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی ۔ خدا اس کی عمر میں برکت دے گا۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "تم اپنے والدین سے نیکی کرو تمہاری اولاد تم سے نیکی کرے گی" ___ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ :

رَغِمَ اَنْفُہٗ رَغِمَ اَنْفُہٗ رَغِمَ اَنْفُہٗ

خدا کرے کہ وہ رسوا ہو، رسوا ہو، رسوا ہو "

لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! یہ کس کے لئے آپ فرما رہے ہیں ! ارشاد ہوا کہ وہ جس نے اپنی زندگی میں بوڑھے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی کو پایا، اور خود (ان کی اطاعت سے) جنتی نہ بنا۔ ایسے شخص کو ایک اور حدیث میں جہنمی قرار دیا ہے۔

احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ : آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ___ "اگلے وقتوں میں تین اشخاص کو ایک غار میں شب بسر کرنا پڑی ۔ اچانک ایک پتھر کھسک کر اس غار کے دہانے پر آگیا، اور سب اس میں پھنسکر رہ گئے۔

ان تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کے طفیل اس غار سے نجات کی دعا کی اور وہ قبول ہو گئی ۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنی اس نیکی کا واسطہ دیا کہ ایک بار رات کو اس کے ماں باپ نے پانی مانگا۔ وہ پانی لایا ۔ اتنے میں اس کے ماں باپ سو گئے تھے، اور یہ پانی کا پیالہ لئے ساری رات کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی تب اس کے ماں باپ بیدار ہوئے اور پانی پیا، اس نے دعا کی کہ : ___

"بارالٰہا! اگر مَیں نے یہ کام محض تیری رضا کی نیت
سے کیا تھا تو یہ مصیبت ٹال دے!"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پتھر ایک طرف سرک گیا۔ (بخاری)

ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ فرمایا کہ تیری ماں! — اس نے یہی سوال تین بار کیا اور ہر بار یہی جواب ملا۔ اس نے چوتھی بار جب یہی سوال کیا تو فرمایا: "تیرا باپ —!"

اس سے واضح ہے کہ اطاعت و خدمت کے بارے میں ماں کو باپ پر سہ گونہ فوقیت حاصل ہے۔

کافرہ ماں کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ

حضرت ابوبکر رضؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ، جو ہنوز اسلام سے منحرف تھیں اور مسلمان نہ ہوئی تھیں — حسن سلوک کرنے کی بابت دریافت کیا کہ ان سے میل جول رکھنا چاہیے؟ ارشاد ہوا:

نعم صِلِی اُمّکِ (متفق علیہ)

(یعنی) ہاں ماں سے ملاپ رکھ (یا حسن سلوک کر)

غرض غیر مسلم ماں کے ساتھ بھی وہی برتاؤ روا رکھنے کا حکم ہے جو مسلمان ماں کے لئے واجب ہے۔

ماں باپ کی رضامندی

طبرانی کی ایک روایت میں باپ کی فرماں برداری کو اللہ کی فرماں برداری سے تعبیر

کیا گیا ہے اور بزاز کی روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی پر اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی پر منحصر ہے!

ماں باپ کی وفات کے بعد ان سے حسنِ سلوک کا طریقہ

مالک ابن ربیعہ ساعدی رضہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا، اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آیا ماں باپ کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کی جا سکتی ہے؟

ارشاد ہوا: کہ ہاں! ان کے بعد ان کے لئے دعائے خیر مغفرت کی جائے — ان کے وعدوں کی تکمیل اور ان لوگوں سے میل جول جو ان کے ساتھ اختصاص رکھتے تھے، اور اُنکے دوستوں کی توقیر لازم ہے۔ (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد اُن سے حسنِ سلوک کرنا چاہے تو اپنے چچا کے ساتھ کرے (ابن حبان)

انصاف پسندی!

قرآن حکیم ہر فرد مسلم کو انصاف پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتا ہے: كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ (نساء ع ۲۰)

یعنے: انصاف پر قائم رہو۔

والدین کے مقام اور ان کی اطاعت و خدمت کی اہمیت اوپر بیان

ہوتی ہے۔ لیکن جہاں انصاف کا تقاضا ہے وہاں اس آیت کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے،

شہداء اللہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین

یعنی عدل کا سوال ہو تو اللہ کو حاضر ناظر جان کر فیصلہ کرو اگرچہ وہ فیصلہ تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے خلاف جاتا ہو۔"

ان اللہ یامر بالعدل : (النحل ع ۱۳)

یعنی اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ بہرحال عدل کرو"

اسلامی نظامِ عدل

جیسا کہ ابتدا میں بتایا گیا ہے : اسلام نے ہر فردِ ملت کو داعی (ذمہ دار) قرار دیا ہے اور چونکہ ان کے مشاغل و فرائض مختلف ہیں۔ اس لئے ان کے عدل و انصاف کے دوائرِ عمل بھی مختلف ہیں۔ ان میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اہمیت اس شخص کو حاصل ہے جسے انصاف اور ادائیگیٔ حقوق کے فیصلوں کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اصطلاحِ عام میں ایسے شخص کو حاکم۔ والی۔ بادشاہ۔ قاضی۔ منصف یا سر پنچ کہا جاتا ہے — اللہ تعالےٰ نے ایسے تمام اشخاص کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے :

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (ع)

یعنی : جب تم لوگوں کے درمیان ان کے نزاع کا فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کی رو سے فیصلہ کرو۔"

پھر انصاف کی تعریف اور اس میں احتیاط سے کام لینے کا بھی ارشاد ہے :

فاحکم بینهم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوائهم عما جاءك (مائدہ ع ۷)

یعنی: فیصلہ میں وحی الٰہی کے ذریعہ نازل ہونے والے احکام کو پیش نظر رکھو اور آسمانی صداقت کے مقابلہ میں لوگوں کی خواہشات کو نظر انداز کر دو)

مزید براں اس اصول سے روگردانی کی سخت مذمت فرمائی ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (مائدہ: ۴۵)

یعنی جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ بدکار ہیں)

حاکم کا انتخاب

امر و نہی کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے حاکم کے انتخاب، اور انتصاب میں اس کی اہلیت کار کو نظر انداز کرنے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کو قابل باز پرس قرار دیا گیا ہے جو کسی معاملہ کے تصفیہ کے لئے ایک شخص کو مامور کرے دراں حالیکہ اس سے بہتر شخص اس کی رعایا میں موجود ہو۔

اسلام کے اس قانون کی رو سے رائے دہندگان اور کارپردازان حکومت دونوں پر نہایت نازک اور مشکل ذمہ داری عائد ہوتی ہے ایک طرف تو رائے دہندگان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو حکمرانی کے لئے انتخاب کریں جس میں عدل و انصاف کی

پوری صلاحیت موجود ہو۔ دوسری طرف اقتدار و حکومت اور اختیار کے امیدوار پر بھی لازم ہے کہ اسے اپنے نفس پر وثوق ہو کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پوری طرح انجام دے سکے گا۔ تب ہی وہ کوئی عہدہ قبول کرے، ورنہ امیدواری سے دست بردار ہو جائے۔ غالباً ذمہ داری کی انہی مشکلات کے پیش نظر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من ولی القضاء او جعل قاضیا بین الناس
فقد ذبح بغیر سکین (ابوداؤد۔ ترمذی)

یعنی: "وہ شخص جو عہدہ قضا پر فائز ہوا یا جسے قاضی بنایا گیا وہ گویا چھری کے ساتھ ذبح کر دیا گیا۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قیامت کے روز قاضی سے ان کے فیصلہ کی بابت ایسی سختی سے محاسبہ کیا جائے گا کہ وہ کہیں گے کہ کاش انہیں عمر بھر ایک کھجور کی بابت بھی فیصلہ کرنا نہ پڑا ہوتا۔"

حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: "کہو تو تمہیں بتاؤں کہ حکمرانی کیا ہے اور حکمرانی کیسی شے ہے؟ انہوں نے التماس ارشاد کیا۔ تو فرمایا: کہ حکومت کا پہلا درجہ باعث ملامت ہے۔ دوسرا درجہ ندامت اور تیسرا درجہ عذاب آخرت ہے بشرطیکہ عدل سے کام نہ لیا گیا ہو۔

اور کوئی شخص اپنے قرابتوں سے کیونکر عدل کر سکیگا

(طبرانی بروایت بزار)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ پر مامور کئے جانے کی درخواست کی۔ حضورؐ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے فرمایا کہ :

"اے ابوذر! تم کمزور انسان ہو اور یہ عہدہ ایک امانت ہے جسکا نتیجہ قیامت کے دن ذلت و ندامت کے سوا نہیں تا آنکہ اس کا حق اور فرض منصبی کی پوری پوری ادائیگی نہ ہوگی" (مسلم)

اسی طرح حضرت مقدام بن معدیکرب کو فرمایا : کہ

"اے قدیم تیری فلاح اسی میں ہے کہ نہ حاکم بن — نہ منشی اور نہ نقیب!"

نیز حضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ : لا تسأل الامارۃ — یعنی حاکم بننے کی درخواست نہ کر — اور یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ :

"عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حاکم بننے کے حریص ہوں گے لیکن قیامت کے دن پچھتائیں گے"۔ (بخاری)

اربابِ حکومت کا مرتبہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکومت و اقتدار کے اس دشوار گزار مرحلہ سے بحسن و خوبی گزرنے والے کو خوشخبری دی ہے کہ

"سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں قیامت کے روز جبکہ سایۂ الٰہی کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ خود اپنے سایہ

میں جگہ دے گا — اس قسم کے لوگوں میں سب سے پہلے "امام عادل" یعنی منصب امام (یا سربراہ) کا ذکر فرمایا ہے۔" (بخاری)

نیز ارشاد ہے کہ: "منصف حکمران کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" (طبرانی)

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ — "قیامت کے روز اللہ کا نہایت ہی محبوب اور اس کے غایت درجہ مقربین میں سے منصف حکمران ہوگا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

السّلطان ظلّ اللہ فی الارض یاوی الیہ کُلّ مظلوم من عبادہ فان عدل کان لہ الاجر وکان (یعنے علے الرعیۃ) الشکر۔ (ابن ماجہ)

یعنی بادشاہ زمین پر سایۂ خداوندی کی مانند ہے جہاں اللہ کے بندے ظلم سے پناہ لیتے ہیں۔ اگر بادشاہ عدل کرے تو اسکے اجر کا مستحق ہے اور رعایا پر شکر الٰہی لازم ہے۔"

حضورؐ نے "امام عادل" کو ان لوگوں سے فرمایا ہے۔ جنکی دعا رد نہیں ہوتی۔

فیصلہ کی تین صورتیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فصل مقدمات یا احکام امرا کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے دو صورتوں کے فیصلہ کو مستوجب عذاب اور ایک صورت کو مستحق جنت قرار دیا ہے — جنت میں لے جانے والا وہ فیصلہ ہے جو حقیقت کا کھوج لگا کر اسکے مطابق کیا جاوے۔ باقی

رہے وہ فیصلے جن کی پاداش دوزخ ہے۔ ان میں سے ایک تو وہ فیصلہ ہے جو حقیقت کو جان لینے کے بعد اس کے خلاف کیا جاوے اور دوسرا وہ فیصلہ ہے جو حقیقت کا کھوج لگائے بغیر کر دیا جائے (ابوداؤد)

اس سے ایک اصولِ فیصلہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی حاکم کو جائز نہیں ہے کہ بلا تحقیق فیصلہ کرے یہ فیصلہ بھی دیدہ دانستہ غلط فیصلہ کر دینے کے برابر اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔

پھر فیصلہ یا حکم کے بارے میں بیہقی کی ایک روایت کردہ طویل حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت سے اللہ کی پناہ مانگی ہے اور دعا کی ہے کہ خدا نہ کرے کہ مسلمان اسوقت کو دیکھیں جبکہ ظالم حاکموں کا تسلط ہو اور وہ اللہ تعالےٰ کے ارشادات کے خلاف حکم دیں، اور پیشگوئی فرمائی ہے کہ ایسا ہوگا تو ان کے زیر اقتدار علاقے ان سے چھین لیے جائیں گے۔ اگر انھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نظرانداز کر دیا تو خود اُن پر بھی آفت نازل ہو جائے گی۔ (تلخیص از منذری ص ۲۲۲)

اور ارشاد فرمایا کہ:

"وہ قوم پاک قرار نہیں دی جا سکتی جہاں ٹھیک فیصلہ نہ ہوتا ہو اور کمزور شخص اپنے حق سے محروم رہ جائے" (ابن ماجہ)

پاکستان کے حکام کو خصوصیت کے ساتھ یہ حدیث ذہن نشین رکھنی چاہیئے اور اس کی اشاعت میں سرگرم رہنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ عدل و انصاف کا حکم صرف ارباب اقتدار ہی کو نہیں، بلکہ تین اشخاص کے درمیان بھی فیصلہ کرنے والے کے لئے وہی حکم ہے جو بادشاہوں

وزیروں اور حاکموں کے لئے ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بلا استثناد یہ مذکور ہے کہ جو شخص ظالمانہ فیصلہ کریگا اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوگی۔

حکومت واقتدار کے آداب

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ایک مکتوب میں ابو عثمان کو جبکہ وہ آذربائیجان میں تھے — یہ ہدایت لکھ کر بھیجی کہ

ایاکم والتنعم وزی الشرك ولبوس الحریر (مسلم)
یعنی خبردار! ناز و نعمت میں نہ پڑ جانا اور مشرکوں کی طرح الگ تھلگ نہ رہنا اور ریشمی لباس نہ پہننا۔"

مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ:

" وہ حاکم جنت کا حقدار نہیں ہو سکتا جو اپنے عوام کے لئے اتنی ہی جدوجہد اور خلوصِ نیت سے کام نہ لے جتنا کہ وہ خود اپنے لئے کرتا ہے۔"

نیز رعیت سے غافل رہنے والا مرنے کے بعد جنت کی بو بھی نہ پا سکے گا۔ اور یہ کہ رعایا کے مسائل سے غافل ہو کر رات کو سو جانے والے پر جنت حرام ہے۔" (تلخیص از احادیث مختلف)

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا:

" جو حاکم عوام کی ضروریات اور ان کے مسائل حل کرنے سے چھپ کر بیٹھ رہے اللہ تعالےٰ قیامت کے روز اس کی مشکلات، ضروریات اور بے کسی کو نظر انداز کر دے گا اور جو شخص مسکینوں اور مظلوموں کی طرف سے اپنا دروازہ بند

کرے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کر لیگا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ: حاکم اپنی رعایا کی حفاظت نیک نیتی سے نہ کرے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

غرض کوئی حاکم ہو یا فیصلہ کنندہ اگر اسکے حکم یا فیصلہ سے کسی پر ناروا سختی ہو جائے یا ظلم ہو یا وہ لوگوں سے کنارہ کش رہے یا چھپ کر بیٹھ رہے تو اسلامی نقطہ نظر سے سخت عذاب کا مستحق ہے۔

واضح ہو کہ انفرادی حق تلفیاں بھی اللہ کے نزدیک اسی طرح قابل باز پرس ہیں جسطرح حکومت یا اربابِ اقتدار کی حق فراموشیاں۔ اس کا سبب وہی ہے کہ مذہبِ اسلام نے ہر فردِ مسلم کو 'راعی' 'حاکم' یا مقتدر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حاکمِ جابر کے ساتھ ان لوگوں کو بھی لعنتی فرمایا ہے جو رحم کے طالبوں پر رحم نہیں کرتے اور عہد کر کے اسے پورا نہیں کرتے۔

(بروایت سیال بن سلامہ۔ منقول از منذری ج ۴ ص ۲۲۳)

حق تلفیوں کا دنیوی خسارہ

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی حق فراموشیوں کے باب میں خطاب فرمایا کہ

"لوگو تمہارا کیا حال ہو گا جبکہ تم میں یہ پانچ برائیاں راہ پا جائیں۔ میں تو اس صورتِ حال سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم کو اپنی موجودگی میں ان حالات سے دوچار ہونا پڑے حضور نے فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم پر بدکاری پر کھلم کھلا عمل ہو رہا ہو اور وہ قوم طاعون یا ایسے آزار میں

www.OnlyOneOrThree.com

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

نہ مبتلا ہوئی ہو جو اُن کے بزرگوں نے کبھی نہ سُنا ہو۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قوم ادائیگی زکواۃ سے انکاری ہوئی ہو اور آسمان سے بارش بند نہ کر دی گئی ہو۔ اگر جانور نہ ہوتے تو بارش کا نزول قطعاً بند کر دیا جاتا۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے ناپ تول میں گھٹا کیا ہو اور زمین بنجر ہو کر نہ رہ گئی ہو اور تنگیٔ رزق و جورِ حکام سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حاکموں نے ارشادات الٰہی کے خلاف فیصلہ کیا ہو اور اس پر قوم کے دشمن اس پر غالب نہ آ گئے ہوں اور جن علاقوں پر ان کا قبضہ ہے، ان میں سے کچھ حصہ ہاتھ سے نہ نکل گیا ہو اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ لوگوں نے کتاب و سنت کو چھوڑ دیا ہو۔ اور اس کا خمیازہ خود انھیں بھگتنا نہ پڑا ہو۔"

(بروایت حاکم بلفظ از حدیث بریدہ منقول از منذری ج ۴ ص ۲۲۲)

ارباب حکومت کی چار قسمیں

حضرت عمر فاروقؓ نے حاکم کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ کہ خود بھی محنت کرے اور اپنے عاملوں سے بھی محنت لے۔ وہ ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ ایسے حاکم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ دوسرا وہ نرم مزاج ہے کہ خود مشقت کرتا ہے لیکن اس کے عامل مزا اڑاتے ہیں۔ ایسا حاکم تباہی کے کنارہ پر ہے۔ الّا یہ کہ خدائے تعالےٰ

اس پر رحم کرے۔ تیسرا وہ ہے جو عاملوں سے مشقت لے اور خود آسائش میں رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے حاکم کی بابت فرمایا ہے کہ حاکموں میں وہ حطمہ (یعنی آتشِ دوزخ) ہے۔ چوتھا وہ حاکم ہے کہ خود بھی مزے کرے اور اس کے عامل بھی تو وہ سب مرضِ ہلاکت میں ہیں۔

ظالمانہ اقتدار کا ایک نقشہ

ابن مہاجر کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور بدوران حج مکہ معظمہ میں آیا تو پچھلی شب کو طواف کعبہ کے لئے نکلتا اور نماز ادا کرتا رہتا۔ اور کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب صبح ہو جاتی تو دار الندوہ میں چلا آتا۔ نماز کی تکبیر ہوتی تو لوگوں کو نماز پڑھاتا۔ ایک رات اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ملتزم کے پاس کھڑا ہوا یوں کہہ رہا ہے۔ کہ الٰہی میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں کہ زمین میں سرکشی اور فساد ظاہر ہو گیا اور ظلم و طمع حق اور حق داروں کے درمیان میں حائل ہو گئے ہیں۔ منصور وہاں سے نکل کر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور اس شخص کو طلب فرمایا۔ قاصد نے اس سے کہا کہ چلو امیر المومنین بلاتے ہیں۔ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور حجر اسود کو بوسہ دے کر قاصد کے ساتھ ہو لیا۔ منصور کی خدمت میں آیا اور سلام کیا۔ منصور نے پوچھا کہ تم جو یہ کہتے تھے کہ زمین میں سرکشی اور فساد ہو گیا ہے اور حقداروں کے حق میں ظلم اور طمع حائل ہو گئے ہیں یہ کیا بات ہے۔ میں نے جب سے یہ سُنا ہے بیمار ہو گیا ہوں اور مجھ کو نہایت قلق ہوا۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ میری جان کی امان دیں تو میں سب باتیں

مغراں کی اصلیت آپ سے کہہ دوں گا، ورنہ میں اپنے ہی نفس پر اکتفا کروں گا کیونکہ مجھے اپنی ہی فکر سے فرصت نہیں۔ منصور نے جان کی امان کا وعدہ کیا۔ اس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں اتنی طمع آگئی ہو، کہ وہ اس کے اور حق کے درمیان حائل اور اصلاح حال سے مانع ہو جائے وہ آپ ہی ہیں۔ منصور نے کہا: بھلا مجھ میں طمع کہاں سے آئی جبکہ زر و سیم میرے ہاتھ میں ہے اور تلخ و شیریں میرے قبضہ میں ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! اس سے زیادہ اور کیا طمع ہوگی کہ خدائے تعالےٰ نے تجھے مسلمانوں کے معاملات و اموال کا حاکم اور محافظ بنایا تھا، اور تو ان کا مال جمع کرنے کی فکر میں ہے — اور تیرے اور عامۃ المسلمین کے درمیان چونا اور اینٹ کی دیواریں — لوہے کے دروازے اور ہتھیار بند دربان حائل ہیں کہ مسلمان تیرے پاس نہ آئیں۔ تو نے اپنے معتمد ایسے ظالم مقرر کئے ہیں کہ اگر تو بھولے تو وہ یاد نہیں کراتے اور اچھا کرے تو تعاون نہیں کرتے تو نے انھیں مال اور سواری اور ہتھیار دے کر ظلم پر قوی کر دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تیرے مخصوص اشخاص کے سوا، اور کوئی نہ آوے۔ کسی مظلوم، اندوہ ناک، حاجت مند، بھوکے، کمزور، محتاج کو تیرے پاس بار نہیں ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا حق تیرے جمع کردہ مال میں نہ ہو۔ تو نے اپنے خواص کو دوسری رعیت پر ترجیح دے رکھی ہے جو بیت المال سے بعض چیزیں اپنے لئے رکھ لیتے ہیں اور حقداروں کو نہیں دیتے — ان کا کہنا ہے کہ جب خلیفہ اللہ تعالےٰ کی خیانت کرتا ہے تو ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہ کریں۔ یہ لوگ ان کو جو رعیت کی خفیہ باتیں جانتے ہوں، خلیفہ تک رسائی ہونے نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص عمالِ

حکومت کے خلاف کچھ کہے تو اسے ٹکنے نہیں دیتے اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

ارکان حکومت کے اس طبقہ کی حمایت سب سے پہلے عاملوں نے کی، ان کے پاس تحفے اور مال بھیجکر ان سے صلح کی تاکہ تیری رعیت پر خوب ظلم کریں، اور کچھ شنوائی نہ ہو۔ ذی اختیار اور مال دار طبقے نے تیرے مصاحبوں کو رشوت سے نوازا، تاکہ جو لوگ ان سے کم ہوں وہ ان پر اپنے دل کے پھپھولے نہ پھوڑیں۔

اس طرح اللہ کی بستی فساد و طمع سے پُر ہو گئی اور تیرے مصاحب سلطنت میں تیرے شریک ہو گئے اور تجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ اگر کوئی داد کا طالب تیرے پاس آتا ہے تو اسے تیرے پاس نہیں جانے دیتے، اور اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ جب تیری سواری نکلے اس وقت اپنا حال عرضی میں لکھ کر پیش کرے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ تو نے خود اس کی ممانعت کر دی ہے اور وہ شخص جو مظلوموں کے حق کا ناظر مقرر کیا گیا ہے ـــ مظلوم اس کے پاس جاتا ہے اور تیرے معتمدوں کو اس کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ ناظر سے کہہ دیتے ہیں کہ اس کی عرضی مت پیش کرنا ـــ اور اگر ناظر مذکور رحمدل ہے اور اس کا قول مانا جاتا ہے تب بھی وہ آپ کے معتمدوں کے ڈر سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور مظلوم فریادی کو دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے، یا پھر کوئی بہانہ کر دیتا ہے۔ بالآخر اگر وہ تیری سواری نکلنے کے وقت سامنے فریاد کرنا چاہتا ہے تو اسے اس قدر زدو کوب کیا جاتا ہے کہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، تو دیکھتا رہتا ہے اور نہ تو اپنے اختیار کو کام میں لا کر اس سے باز رکھتا ہے اور نہ زبان سے منع کرتا ہے تو ایسی

صورت میں اب اسلام اور اہل اسلام کی کیا چیز باقی رہی ؟

علمائے برحق اور حکومت :

کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں علماء اس کی ملاقات کو گئے اور منصب خلافت پر فائز ہوتے کی مبارکباد دی۔ اس نے بیت المال کے دروازے کھول کر بڑے بڑے خلعت اور انعام سے انھیں نوازا۔ ہرچند کہ خلیفہ خلافت پر فائز ہونے سے پہلے عالموں اور زاہدوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور انہیں کی طرح خستہ حالی میں رہتا تھا اور حضرت سفیان ثوریؒ سے برادرانہ نسبت اور کمال عقیدت رکھتا تھا لیکن حضرت سفیان ثوریؒ مبارکباد کو نہ آئے۔

یہ بات اس پر شاق گزری، تاہم خلیفہ نے ان کی خدمت میں ذیل کا رقعہ بھیجا جس میں حمد و نعت کے بعد مرقوم تھا کہ :

"امیر المومنین کی طرف سے اس کے بھائی سفیان بن سعید ثوری کو معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کے درمیان رشتۂ اخوت مقرر فرمایا اور میں نے آپ کے ساتھ جو بھائی چارہ قائم کیا ہے اسکو منقطع نہیں کیا اور نہ دوستی توڑی ہے بلکہ ابتک مجھ کو آپ سے غایت درجہ محبت اور کامل درجہ عقیدت ہے، اور اگر خلافت کا بار خدائے تعالےٰ میری گردن میں نہ ڈالتا تو میں آپ کی خدمت میں گھٹنوں کے بل چل کر آتا، کیونکہ میرے دل

آپ کی محبت ہے۔ میرے اور آپ کے دوستوں میں سے کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ کو مبارک باد دینے نہ آیا ہو، میں نے ان سب پر بیت المال کے دروازے کھول دیئے جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو فرحت نصیب ہوئی ـــــ مگر جب آپ نے قدم رنجہ نہ فرمایا تو میں نے اپنا یہ خط سخت اشتیاق سے آپ کی خدمت میں روانہ کیا:

اور اے ابو عبداللہ! آپ کو معلوم ہے ـــ کہ ایمان دار کے ملنے کا ثواب کیا کچھ ہے تو جب یہ اشتیاق نامہ آپ کے پاس پہنچے تو جلد از جلد تشریف لائیں۔"

ہارون الرشید نے یہ خط لکھ کر عباد کو حکم دیا کہ یہ خط ان کی خدمت میں پہنچائے۔ وہاں سے جو کچھ سنے یا محسوس کرے اسے من وعن مجھ سے بیان کرے۔

عباد اس خط کو لیکر جب کوفہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت سفیان مسجد میں ہیں۔ عباد کہتے ہیں کہ میں نے مسجد کا رستہ لیا۔ جب انھوں نے مجھ کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد کہا: الٰہی! میں اس آنے والے سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو خیر کے سوا کسی اور ارادہ سے آوے۔ آپ کے ان الفاظ کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا۔ جب آپ نے مسجد کے دروازہ پر مجھے سواری سے اترتے دیکھا تو آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حالانکہ کسی نماز کا وقت نہ تھا۔

میں نے مسجد کے اندر قدم رکھا۔ دیکھا کہ آپ کے ساتھی گردن جھکائے بیٹھے ہیں، گویا چور ہیں اور سزا سے ڈرتے ہیں۔ میں نے سلام کیا تو کسی نے سر اٹھا کر مجھ کو نہ دیکھا اور انگلیوں کے اشارہ سے سلام کا جواب دیا۔ کسی نے مجھ سے نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

حضرت سفیان کی ہیبت سے میں کانپ گیا وہ نماز پڑھ رہے تھے میں نے وہ خط ان کے سامنے پھینک دیا۔ آپ خط کو دیکھ کر کانپے اور اس سے ایسے بچے کہ گویا سجدہ گاہ میں سانپ سامنے آ گیا، پھر نماز کو پورا کر کے سلام پھیرا، اور اپنا ہاتھ جبہ کی آستین میں لپیٹ کر خط کو پلٹا اور پھر اسے پشت کی طرف لوگوں میں پھینک دیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس کو لیکر پڑھ لے، میں تو اللہ تعالےٰ سے مغفرت چاہتا ہوں کہ ایسی چیز کو ہاتھ لگاؤں جس کو ظالم نے چھوا ہے!

ان میں سے ایک شخص نے اس خط کو ڈرتے ڈرتے اس طرح کھولا گویا اس میں سانپ تھا کہ اسکے کاٹنے کا خوف تھا اور اس کو ابتدا سے انتہا تک پڑھا۔ حضرت سفیان مسکراتے رہے۔

جب مضمون تمام پڑھا گیا تو فرمایا؛ اس کو الٹو اور خط کی پشت پر جواب لکھ دو، لوگوں نے کہا کہ اے ابوعبداللہ! وہ شخص خلیفہ ہے مناسب ہے کہ آپ کسی عمدہ کاغذ پر جواب لکھوائیے۔ آپ نے اسی خط کی پشت پر جواب لکھنے کو کہا اور فرمایا کہ اگر اس نے اس کاغذ کو حلال مال سے حاصل کیا ہے تو اس کا ثواب پائے گا اگر حرام سے کمایا ہے تو عذاب بھگتے گا تاہم جس چیز کو ظالم نے چھوا ہے وہ ہمارے پاس نہ رہنی چاہیئے۔ ورنہ ہمارے دین کو خراب کرے گی۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ جواب کیا لکھیں فرمایا کہ یوں لکھو :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ منیب سفیان ثوری کی طرف سے اس بندہ کو جو تمناؤں پر مغالطہ کھاتے ہوئے ہے اور ایمان کا مزا اس سے چھن گیا ہے یعنی ہارون الرشید کو بعد سلام وحمد خدائے منعم اور نعت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معلوم ہو کہ میں نے یہ خط تم کو اسی اطلاع کے لئے لکھا ہے کہ میں نے تمہاری الفت کا رشتہ توڑ دیا ہے اور دوستی کا علاقہ کاٹ ڈالا، اور اب میں تمہارا دشمن ہو گیا۔ کیونکہ تم نے خود اپنے خط میں اقرار کیا کہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال کو دل کھول کر خرچ کر ڈالا اور مجھ کو اس بات کا گواہ کیا کہ تم نے مسلمانوں کا مال بیجا اور بے موقع استعمال کیا اور یہ بھی نہیں کہ جو کچھ تم نے کیا تھا اسی پر راضی رہتے بلکہ اس کے بعد مجھ کو خط لکھا کہ تم پر میں اور میرے ساتھ کے لوگ جنہوں نے تمہارا اقراری خط پڑھا گواہ ہو جائیں تو یاد رکھو کہ ہم قیامت میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تمہاری حرکتِ بے جا کی گواہی دیں گے۔

اے ہارون! تم نے مسلمانوں کا بیت المال بے جا صرف کیا، اس میں تو بموجبِ حکم قرآن مجید کے سات فرقوں کا حق ہے۔ تمہارے اس فعل سے کون سا فریق

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

راضی ہوا ، جس کا دل خوش کیا گیا ہے - صدقات کے عامل یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا مسافر یا حفاظ، اور علماء یا بیوہ عورتیں اور یتیم یا مسکین لوگ تمہاری رعیت میں سے اس فعل سے راضی ہوئے ؟ پس اب پرسشِ اعمال کے لئے تیار ہو جاؤ اور اپنی مصیبت کے دُور کرنے کی فکر کرو اور جان لو کہ عنقریب حاکم عادل کے سامنے کھڑے ہوگے اور تمہارے نفس کے باب میں تم سے مواخذہ ہوگا ۔ اور تم نے علم اور زہد اور قرآن مجید اور ابرار کے پاس بیٹھنے کا مزہ کھو دیا، اور اپنے نفس کے لئے ظالم اور ظالموں کا امام ہونا پسند کیا - اے ہارون! تم تخت پر بیٹھے اور ریشم پہنا اور اپنے دروازے پر پردہ ڈالا ، اور ان حجابوں سے تم نے رب العالمین کی مشابہت پیدا کی، پھر اپنے ظالم سپاہیوں کو دروازوں اور پردوں کے پاس بٹھا دیا جو لوگوں پر ظلم کرتے اور انصاف سے گریز کرتے ہیں - خود شراب پیتے ہیں اور اگر کوئی اور پئے تو سزا دیتے ہیں اس طرح خود بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں اور دوسروں پر بدکاری کی حد لگاتے ہیں اور خود چوری کرتے ہیں اور دوسرے چوروں کا ہاتھ کاٹتے ہیں غرض شریعت کے احکام تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر نہیں، دوسروں پر نافذ ہوتے ہیں ، تمہارے آدمیوں

پر نہیں ہوتے۔

اے ہارون! کل کیا ہوگا؟ جب ایک پکارنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارے گا: "جمع کرو گناہ گاروں کو اور ان کے ساتھیوں کو" کہاں ہیں ظالم اور انکے مددگار اور تم کو خدائے تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا — اس صورت سے کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردن سے بندھے ہوں گے اور ان کو بجز تمہارے عدل کے اور کوئی نہ کھولے گا — ظالموں کی جماعت ہوگی اور تم ان سب کے سردار ہوگے اور سب کو دوزخ میں لے جاؤ گے۔

اے ہارون گویا تمہارا حال میرے سامنے ہے کہ تمہاری گردن پکڑی گئی اور قیامت میں محاسبہ کے لئے حاضر کئے گئے۔ تم اپنی نیکیاں دوسروں کے پلہ حسنات میں دیکھ رہے ہو اور اپنی برائیوں کے سوا عیزوں کی برائیاں اپنے پلہ میں دیکھتے ہو کہ مصیبت پر مصیبت، اور اندھیرے پر اندھیرا ہے۔

پس اے ہارون! میری وصیت یاد رکھو، اور جو نصیحت میں نے کی اس پر کاربند ہو اور جان لو کہ میں نے تمہاری خیرخواہی کی اور کوئی دقیقہ نصیحت کا باقی نہیں چھوڑا تم اپنی رعیت کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے باب میں احکام رسالت کو پیشِ نظر رکھو اور فرائضِ خلافت کو

اچھی طرح انجام دو! دیکھو اگر خلافت پہلے خلیفوں کے پاس ہی رہتی تو تمھارے پاس نہ پہنچتی اور یہ تمھارے پاس سے بھی جانے والی ہے۔ اسی طرح دنیا سب لوگوں سے ایک ایک کرکے چلی جاتی ہے تو ان میں سے بعضوں نے تو ایسا توشہ بہم کر لیا جو ان کے لئے مفید ہے اور بعض لوگ دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ میں رہے، اور میرا گمان یہ ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو جن کو دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ ہوا۔

اب آگاہ رہو کہ اس کے بعد مجھ کو کوئی خط مت لکھنا اور نہ میں اس کا جواب تم کو تحریر کروں گا۔

والسلام

عباد کہتا ہے کہ اس خط کو لکھوا کر، تہہ کئے بغیر اور مُہر لگائے بغیر میری طرف پھینک دیا۔ میں اس کو لیکر کوفہ کے بازار میں آیا اور آپ کی نصیحت مجھ پر اثر کر گئی۔ میں نے بازار میں پکارا: کہ ایک شخص اللہ تعالےٰ سے بھاگا ہوا تھا۔ اس کی طرف اس نے رجوع کیا کوئی تم میں سے اس کا خریدار ہے؟ لوگ میرے پاس روپے اشرفیاں لائے۔ میں نے کہا: مجھے مال کی حاجت نہیں، ایک موٹا جھوٹا صوف کا کرتہ اور ایک کملی چاہتا ہوں۔

لوگوں نے مجھے دونوں چیزیں لا دیں۔ میں نے ان کو پہن لیا، اور جو لباس خلیفہ کے دربار میں پہنا کرتا تھا اتار ڈالا۔ جو ہتھیار لگائے ہوئے تھے ان کو گھوڑے پر رکھا اور گھوڑے کی باگ ڈور پکڑ کر پیادہ پا روانہ ہوا۔

یہاں تک کہ جب میں خلیفہ ہارون کے دروازہ پر پہنچا اور لوگوں نے مجھ کو پیادہ اور برہنہ پا دیکھا تو خوب تمسخر اڑایا۔ خلیفہ نے مجھے اس کیفیت میں دیکھا تو بیٹھا پھر اٹھا اور کھڑا ہوکر اپنا سر اور منہ پیٹتا اور واویلا کرتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ افسوس! ایلچی نے فائدہ اٹھایا اور بھیجنے والا محروم رہا۔ مجھ کو دنیا سے کیا سروکار ہے! سلطنت میرے کس کام آئے گی، ڈھلتے سایہ کی طرح جلد چلی جائے گی۔

پھر حضرت سفیان ثوری نے مجھ کو جیسا کھلا ہوا خط دیا تھا۔ میں نے ویسا ہی نکال کر ہارون کو دے دیا۔ وہ پڑھتا جاتا تھا اور باآواز بلند گریہ وزاری اور فریاد کرتا جاتا تھا۔ اس کے بعض بدخواہوں نے کہا:

"اے امیر المومنین! سفیان ثوری نے خلیفہ کی شان میں بڑی گستاخی کی۔ آپ کسی کو ان کے پاس بھیجیں اور لوہے کی بھاری بیڑیاں ڈال کر مجلس میں حاضر کریں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔"

ہارون الرشید نے کہا: اے دنیا کے بندو! ہم کو اس حرکت سے معاف رکھو، جو تمہارے کہنے پر چلے وہ بڑا بدبخت ہے۔ تم کو معلوم نہیں، کہ سفیان ثوریؒ ایک متشرع، یگانہ روزگار بزرگ ہیں، وہ جانیں اور ان کا کام — ان سے مزاحمت ممکن نہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوریؒ کا یہ خط ہمیشہ ہارون الرشید کے پاس رہتا اور ہر نماز کے وقت اس کو پڑھ لیا کرتا — یہاں تک کہ انتقال کیا۔

(ملتقط از مذاق العارفین ص ۱۵۳)

ؤ

علماء کی بیباکی!

احمد بن ابراہیم مقری کہتے ہیں کہ ابوالحسین نوری فضول کام اور بے فائدہ سوال نہ کرتے تھے۔ جس چیز کی ان کو حاجت نہ ہوتی اسکی تلاش نہ کرتے اور جب کسی کو ناپسندیدہ امر کا مرتکب پاتے تو اسکا حلیہ بگاڑ دیتے گو جان ہی کیوں نہ جائے۔

ایک روز ایک چشمہ پر جو مشروع فجابین کے نام سے مشہور ہے نماز کے لئے وضو کر رہے تھے کہ ایک کشتی جس میں تیس مٹکے تھے۔ وہاں آئی۔ ہر ایک مٹکے پر سیاہی سے لفظ 'لطف' لکھا ہوا تھا۔ آپ نے ملاح سے دریافت فرمایا کہ ان میں کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم کو اس سے کیا غرض! تم تو صوفی آدمی ہو — اس میں شراب ہے جو معتضد کے لئے ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنی مجلس کی تکمیل کرے۔

آپ نے ایک موگری لی اور کشتی پر سوار ہو کر ایک ایک مٹکا توڑنے لگے۔ یہاں تک کہ بجز ایک مٹکے کے اور سب توڑ ڈالے اور ملاح فریاد کرتا رہا۔ حتےٰ کہ اس پل کے حاکم یونس ابن افلح نے ابوالحسین نوری کو گرفتار کر کے معتضد کے پاس روانہ کر دیا۔

چونکہ معتضد کی تلوار پہلے چلتی تھی، زبان پیچھے اس لئے لوگوں کو یقین تھا کہ وہ بدوں قتل کئے نہ چھوڑے گا۔

ابوالحسین نوری فرماتے ہیں کہ جب مجھ کو خلیفہ کے سامنے لے گئے وہ کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سونٹا تھا جس کو جنبش دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا: تو کون ہے؟ میں نے کہا: محتسب ہوں

اس نے کہا: تجھ کو محتسب کا عہدہ کس نے دیا؟

میں نے کہا: جس نے تجھے امامت کا عہدہ دیا۔

اس نے تھوڑی دیر گردن جھکا لی۔ اس کے بعد سر اٹھا کر کہا: کہ "تُو نے جو حرکت کی اس کی وجہ کیا تھی"؟

مَیں نے کہا: کہ مجھ کو تیرے حال پر ترس آیا کہ جس برائی کو تجھ سے ٹال سکتا ہوں اس میں کوتاہی کیوں کروں!

خلیفہ سر جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر سوال کیا:

"مٹکوں میں سے ایک مٹکا کیسے بچ رہا؟"

مَیں نے کہا: "اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جس وقت میں مٹکوں کی طرف متوجہ ہوا، دل جلال الٰہی سے پُر تھا اور خدا کا خوف طاری تھا اس لئے میں نے ان کو توڑنے کی جرأت کی اور یہی کیفیت طاری رہی لیکن جب میں اس مٹکے پر پہنچا تو میرے نفس نے یہ فخر محسوس کیا کہ میں نے خلیفہ کے مٹکے توڑ دیئے۔ میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اگر اس مٹکے پر پہنچنے تک۔ وہی خلوص ہوتا جو پہلے تھا تو ایک یہ کیا اگر روئے زمین مٹکوں سے پُر ہوتی تب بھی میں توڑتا چلا جاتا اور کچھ پروا نہ کرتا۔"

معتضد نے کہا:

"جاؤ! آج سے ہم نے تمہیں آزادی دے دی جو بُرا کام دیکھو اُسے بند کر دو اور جو بری شے نظر آئے اُسے برباد کر دو۔"

مَیں نے کہا:

"اے امیرالمومنین! اب میں اسکو بُرا جانتا ہوں کیونکہ یہ عمل جو اب تیرے حکم سے انجام دوں گا — وہ محض خوفِ

خدا سے انجام دے رہا تھا"

معتضد نے کہا: "اب تم کیا چاہتے ہو؟

مَیں نے کہا: یا امیرالمومنین! آپ حکم دیں کہ میں سلامت چلا جاؤں۔"

خلیفہ نے حکم دیا کہ کوئی اس سے مزاحم نہ ہو!

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ بصرہ میں چلے آئے اور اکثر بصرہ ہی میں رہے کہ مبادا کوئی ضرورت درپیش ہو اور نوبت معتضد سے سوال کرنے کی پہنچے۔ معتضد کی وفات کے بعد بغداد واپس آئے۔

علماء کی عادت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں یہ تھی کہ بادشاہوں کے دبدبہ کی پروا کم کرتے تھے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتا تو اس کے فضل پر تکیہ کرتے اور اگر شہادت نصیب ہوتی تو اس کے حکم پر راضی تھے، اس لئے ان کے کلام کی تاثیر سے سخت دل نرم ہو جاتے اور سختی دُور ہو جاتی تھی۔

علماء کی کوتاہی

علمائے برحق میں علم دین کی بدولت وہی صلاحیتیں اب بھی ہیں، لیکن طمع مال وجاہ نے ان کی زبان روک دی ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق سے گریز کرتے ہیں اور اگر کہتے ہیں تو ان کا قول ان کے حال کے موافق نہیں ہوتا، اسلئے کچھ فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ اگر وہ علم کا حق ادا کرتے تو فلاح پاتے کیونکہ رعیت کی ساری خرابی حاکموں کے خراب ہونے سے ہے اور حاکموں کی خرابی علماء کی خرابی سے ہے اور علماء کی خرابی مال وجاہ

کی محبت سے ہے۔ جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہوگی وہ بادشاہ و حاکم تو درکنار، کمتر آدمیوں سے بھی باز پرس نہیں کرسکیگا

علماء کا فرضِ اوّلین

حق گوئی و حق پسندی

حضرت عبد المعالی عبد المالک جوینی رح سلجوقی سلطان ملک شاہ کے زمانہ میں امامِ وقت تھے اور بعض امور کا فیصلہ ان کے ذمہ تھا،

ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو بادشاہ کے مصاحبوں نے مشورہ دیا کہ کل عید ہے۔ شاہی حکم جاری ہوگیا کہ کل صوم نہ ہوگا بلکہ عید ہوگی۔ امام صاحب کو اس کا علم ہوا۔ انھوں نے بعد از تحقیق اسکے خلاف فتوٰے دیا کہ کل عید نہیں ہوگی۔ روزہ رکھا جائے گا۔ بادشاہ نے خاموشی اختیار کی۔ لوگوں نے روزہ رکھا اور اس سے اگلے دن عید منائی۔

عید کا دربار لگا۔ امرائے سلطنت نے بادشاہ کے کان بھرے، کہ امام جوینی رح آپ کا مخالف ہے اسی لئے آپ کے اعلان واجب الاذعان کی مخالفت کرکے لوگوں کو روزہ رکھوا دیا۔ بادشاہ نے اُنھیں دربار میں بلوایا اور جواب طلب کیا ــــ ایک سرکاری دربان امام صاحب رح کو طلب کرنے کے لئے بھیجدیا گیا۔

امام صاحب اس وقت وظائف میں مشغول تھے۔ ایک چادر زیب تن تھی اور سر پر معمولی پگڑی تھی۔ وہ اسی حالت میں دربار میں

حاضر ہو گئے۔ مخالفین نے بادشاہ کو کہا کہ دیکھئے حضور! دربار کے آداب کا لحاظ کئے بغیر کس ہیئت میں امام آیا ہے۔ بادشاہ کچھ غضبناک ہوا۔ حاجب کو کہا کہ امام سے دریافت کرو۔ کہ عید کے متعلق ہمارے حکم کی مخالفت کیوں کی۔

امام صاحب نے سرِ دربار عرض کیا کہ سلطنت کے امور کا طے کرنا اور جاری کرنا آپ کا کام ہے اور آپ ان میں میرا مشورہ نہیں لیتے، اسی طرح جب امورِ دین کا فیصلہ میرا کام ہے میں نے ضروری تحقیقات کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ شریعت کے لحاظ سے کل عید نہیں ہو سکتی، کیونکہ چاند نظر نہیں آیا۔

بادشاہ نے سرِ تسلیم خم کیا۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کو علم تھا کہ آج دربار ہے پھر آپ درباری دستور کے خلاف اس لباس میں کیوں آئے؟

انہوں نے جواب دیا کہ جب آپ کا خادم میرے پاس پہنچا تو میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس لباس میں پیش ہو سکتا ہوں تو اس کی مخلوق کے دربار میں جانے سے یہ لباس ضائع نہیں ہو سکتا۔

حضرت شفیق بلخیؒ کے ایک شاگرد تھے، ان کا نام حاتم اصم تھا۔ ایک بار حاتم حج کے لئے گئے۔ راستے میں رے کا شہر آیا وہاں کا قاضی محمد بن مقاتل بیمار تھا۔ حاتم اس کی عیادت کو گئے۔ جب اندر گئے دیکھا مکان وسیع ہے۔ خوبصورت فرش بنا ہے اور پردے لگے ہیں قاضی نرم فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک غلام پنکھا لئے کھڑا تھا۔

قاضی نے حاتم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فرمایا: ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا: دریافت کرو! جواب دیا: تم اٹھ کر بیٹھ جاؤ تو پوچھوں۔ قاضی اٹھ بیٹھا۔

حاتم نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے علم دین میں یہ پڑھا ہے کہ جس شخص کے گھر میں کرسی ہو اور مکان وسیع ہو اس کا مرتبہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بڑا ہوتا ہے؟

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

قاضی نے کہا: "نہیں!"

حاتم نے دریافت کیا: پھر تم نے کیا پڑھا ہے؟

اس نے کہا: "جو شخص دنیا میں زہد کرے، آخرت کی خواہش کرے اور مساکین سے محبت رکھے اور آخرت کا سامان تیار کرے تو اسکا مرتبہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بڑا ہوگا۔"

حاتم نے کہا کہ پھر تم نے کس کی پیروی کی ہے؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یا فرعون اور نمرود کی — جنھوں نے اینٹ اور چونے کی عمارتیں بنائیں اے علمائے سوء! تم جیسوں کو دنیا دار آدمی دیکھ کر کہتے ہیں کہ جب عالم اس حال پر ہیں تو ہم کیا ان سے کمتر حال کو بھی روا نہ رکھیں۔

یہ کہہ کر حاتم اس کے پاس سے چلے آئے۔

حکام اور علماءؒ

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کو جاتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو فتنہ کی جگہ سے بچاؤ، لوگوں

نے پوچھا: وہ کون سی جگہیں ہیں؟ فرمایا: وہ امیروں کے دروازے ہیں جب تم میں سے کوئی امیر کے ہاں جاتا ہے تو جھوٹ پر اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی شان میں وہ بات، کہتا ہے جو اس میں موجود نہیں۔

سعید بن المسیبؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ امرائ کے گرد پھرتا ہے تو اس سے پرہیز کرو، وہ چور ہے۔ حضرت زرعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کوئی شے اس عالم سے بری نہیں، جو امیروں کے پاس جاتے ہیں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماؑ کے پاس آتے ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی اور شہنشاہ نورالدین جہانگیر

جہانگیر کا وزیر اعظم آصف جاہ حضرت مجددؒ کے خلاف تھا۔ اس نے بادشاہ کو آپ کے خلاف اکسایا۔ بادشاہ نے آپ کو دہلی میں طلب کیا۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو بادشاہ کے نقیبوں نے اشارہ کیا کر دربار کے قواعد کے مطابق سلام اور سجدہ کریں۔ آپ نے ہر دو سے انکار کیا اور باآواز بلند فرمایا:

"اس وقت تک یہ پیشانی غیر اللہ کے لئے نہیں جھکی اور نہ آئندہ امید ہے۔"

بادشاہ پر اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور وہ ڈر گیا۔ وزیر نے مشورہ کیا کہ انہیں گوالیار میں نظر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ عرصہ حضرت وہاں مقید رہے۔

بالآخر بادشاہ نے آپ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا، اور دہلی آنے کی دعوت دی۔ آپ نے ذیل کی شرائط پیش کیں: جو بادشاہ نے منظور کر لیں، پھر آپ تشریف لے گئے۔

شرائط جو پوری ہوئیں یہ تھیں:

۱۔ سجدۂ دربار ختم کر دیا گیا۔

۲۔ گاؤ کشی کی آزادی دی گئی۔

۳۔ جسقدر قانون خلاف شرع تھے منسوخ کر دیئے گئے۔

۴۔ دربار عام کے قریب ایک مسجد تعمیر ہوئی۔ اسمیں بادشاہ اور امراء پانچ وقت باجماعت نماز پڑھتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب بنام خان جہاں میں جو بادشاہ جہانگیر کا ایک جرنیل تھا اور اسکا بڑا مقرب تھا تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح۔ اگر روح درست ہو تو جسم درست ہو سکتا ہے اگر روح خراب ہو جائے تو بدن بھی خراب و خستہ ہو جاتا ہے پس بادشاہ کی بہتری کی کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے اس کے بعد اہلسنت و جماعت کے معتقدات کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہئیں اور مذہب مخالف کی

تردید کرنی چاہیئے ۔ اگر یہ دولت میسّر آجائے تو گویا انبیاً علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آگئی ۔ آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے ، اس کی قدر جاننی چاہیئے "۔
(مکتوب ۶۷)

اعلائے کلمۃ الحق کی اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

" شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں ۔ پھر وہ شخص کہ کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو اور حاکم کو اوامر و نواہی کی تلقین کرے جس کی پاداش میں وہ حاکم اسے ہلاک کر دے " (حاکم بروایت جابر)

ایک اور حدیث میں ہے :

" بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے "۔
(ابوداؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ بروایت علی سید فدائی)

علماء کا فریضۂ پند

جس طرح کلمۂ حق کا اظہار فرض ہے ، اسی طرح علماء پر لازم ہے کہ وہ حکّام وقت کو اعمال صالحہ کی ترغیب دیتے رہیں ۔ چنانچہ خلیفہ عبدالملک جب حج کو آیا اور مکہ معظمہ میں ایک تخت پر بیٹھا ۔ اس کے گرد ہر قبیلہ کے اشراف جمع ہوئے ۔ اس وقت عطاء بن ابی رباح اٹھ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے نصیحت فرمائی کہ اے امیر المومنین !

خدا اور اس کے رسول کے حرم کے باب میں اللہ تعالےٰ
سے ڈرتے رہنا، اور ان کی آبادی کے خبرگیراں رہنا
اور مہاجرین و انصار کی اولاد کے باب میں خوفِ خدا رکھنا
کہ تم تخت پر انہیں کی بدولت بیٹھے ہو، اور جو لوگ دفاعی
اغراض سے دارالسلام کی حدود پر متعین ہیں۔ ان کے باب
میں خوفِ خدا رکھنا اور ان کے معاملات کا خیال رکھنا!
کیونکہ ان کی بابت تم سے باز پرس ہوگی اور جو لوگ تمہارے
دروازے پر آئیں ان پر دروازہ بند نہ کرنا اور ان کے حال
سے غافل نہ ہونا۔"

خلیفہ نے عرض کیا کہ بہت بہتر میں ایسا ہی کروں گا۔ ـــ اس کے بعد حضرت عطا اٹھے خلیفہ نے ان کو پکڑ کر بٹھایا۔ اور کہا کہ اے ابو محمد! یہ تو آپ نے دوسروں کے مفید مطلب باتیں بیان کی ہیں ان کو ہم کہہ چکے کہ پورا کریں گے اب آپ اپنی حاجت فرمایئے کہ کیا ہے انھوں نے فرمایا! کہ مجھ کو مخلوق کی طرف سے کچھ حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر تشریف لے گئے عبدالملک نے کہا کہ شرف اس کو کہتے ہیں۔

ایک بزرگ ابوشمید جو عقل و ادب میں مشہور تھے عبدالملک بن مروان کے پاس گئے۔ عبدالملک نے ان سے استدعائے پند کی ـــ فرمایا کیا کہوں؟ یہ تو تم جانتے ہو کہ متکلم جو کلام کرتا ہے وہ اس پر وبال ہوتا ہے بجز اس کلام کے جو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے ہوں عبدالملک رو پڑا، اور کہا: خدا تعالےٰ آپ پر رحم کرے لوگ

تو ہمیشہ سے ایک دوسرے کو نصیحت اور وصیت کرتے چلے آئے ہیں انہوں نے کہا: یا امیر المومنین! قیامت کی تلخی اور سختی سے کوئی شخص نجات نہ پائے گا سوا ان کے جنہوں نے اپنے نفس کو خفا کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔ عبدالمالک پھر رویا اور کہا کہ میں ان کلمات کو بالاستیعاب اپنی زیست تک آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح رکھوں گا۔

جرأت ایمانی

ابن عائشہ رضؓ کہتے ہیں کہ حجاج نے بصرہ اور کوفہ کے فقہا کو بلایا تو ہم سب گئے اور حضرت حسن بصریؒ سب سے پیچھے تشریف لے گئے۔

حجاج نے ان کی تعظیم کی اور مرحبا کہا اور ایک کرسی منگا کر تخت کے پاس بچھائی اور اس پر آپ کو بٹھایا۔ پھر ہم سے ذکر ادھر ادھر کا کرنے لگے اور سوال کرتا رہا کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ذکر کر کے آپ کی بدگوئی کرنے لگا اور ہم بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اس کے خوف کے مارے بجز تسلیم کے اور کچھ نہ کہتے تھے مگر حضرت حسن بصریؒ انگلی دانت تلے دبائے خاموش بیٹھے رہے۔ حجاج نے ان سے کہا کہ آپ اپنی رائے حضرت علی رضؓ کے بارے میں بیان کیجئے۔ آپؒ نے فرمایا:

" علی المرتضیٰ ان ایمان دار لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے برادرِ عم زاد اور داماد اور آپ کے نزدیک سب
لوگوں سے محبوب تر ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے
لئے جو فضیلت و برتری پہلے سے لکھ دی تھی ، وہ
سب ان کو حاصل ہے تم یا کوئی اور شخص ان فضائل
سے علی المرتضیٰؓ کو محروم نہیں کر سکتا۔

یہ سُنکر حجاج نے ناک بھوں چڑھائی اور رنگ متغیر ہو گیا ، اور
غصہ میں آکر تخت سے اُٹھ کر ایک حجرہ جو تخت کے پیچھے تھا —
اس میں چلا گیا اور ہم سب باہر نکل آئے ۔

عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کا ہاتھ پکڑ
کر کہا : اے ابو سعید ! تم نے حجاج کو خفا کر دیا اور اس کے سینہ
کو کینہ سے بھر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عامر ! مجھ سے دور ہو جاؤ
آدمی تو کہتے ہیں کہ عامر شعبی کوفہ کا عالم ہے مگر تم ایک شیطان
سیرت بشر صورت کے پاس آکر اس کی خواہش کے بموجب کلام کرتے
ہو اور اس کی رائے کو درست کہتے ہو — تم نے خوف خدا اور
تقوٰے اختیار نہ کیا کہ جب تم سے سوال ہوا تھا یا سچ کہا ہوتا
یا خاموش رہے ہوتے کہ سلامت رہتے ۔ عامر نے جواب دیا کہ
میں نے کہا تو سہی مگر میں جانتا ہوں اس میں خرابی ہے ۔ حضرت
حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ بات تمہارے گناہ گار ہونے کی ایک
اور دلیل ہے ۔

عامر کہتے ہیں کہ حجاج نے حضرت حسن بصریؒ کو طلب کیا ،
اور ان سے دریافت کیا کہ آپ ہی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ

ان امرار کو قتل کرے جنھوں نے اللہ تعالےٰ کے بندوں کو روپیہ پیسہ دے کر ہلاک کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی کہتا ہوں اللہ تعالےٰ نے علمار سے عہد لیا ہے کہ لوگوں سے حق بیان کریں۔

کہتے ہیں کہ حطیط نے حجاج کے سامنے کہا کہ میں نے خدا تعالےٰ سے مقام ابراہیم پر تین عہد کر لئے ہیں: ایک یہ کہ اگر مجھ سے سوال ہوگا تو میں سچا جواب دوں گا — دوم اگر مجھ پر مصیبت ہوگی تو صبر کروں گا — سوم اگر عافیت سے رہوں گا تو شکر کروں گا۔ حجاج نے کہا کہ تو میرے بارے میں کیا کہتا ہے: انھوں نے کہا کہ تو زمین میں خدا تعالےٰ کے دشمنوں میں سے ہے۔ لوگوں کی ہتک عزت کرتا ہے اور تہمت پر قتل کرتا ہے۔ حجاج نے کہا: عبدالملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ کہتا ہوں کہ اسکا جرم تجھ سے بھی بڑھ کر ہے، اس کی ساری خطاؤں میں سے [illegible] "تو" ہے —

حجاج نے اس جرأت مندانہ جواب کی پاداش میں حطیط کو [illegible] خطاؤں اور المناک عذابوں کے بعد قتل کر دیا۔ اسکی عمر اٹھارہ سال تھی۔ یہ حدیث اوپر بیان ہوئی ہے کہ جو شخص کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے چچا محمد بن علی نے کہا کہ میں خلیفہ ابوجعفر منصور کی مجلس میں تھا۔ اس میں ابن ابی ذوئب بھی تھے اور سید حسن بن زید حاکم مدینہ منورہ بھی موجود تھا کہ اس

www.only1or3.com

اثنا میں غفاری قوم آئی اور حسن بن زید کی شکایت خلیفہ سے کی حسن نے کہا — اے امیر المومنین ! ان کا حال ابن ابی ذئب سے دریافت فرمایئے کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ یہ قوم لوگوں کی ہتک عزت کرتی ہے۔ ان کو بہت ایذا دیتی ہے۔ خلیفہ نے غفاریوں سے کہا کہ تم نے سنا یہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ ان سے حسن کا حال بھی پوچھئے۔ خلیفہ نے پوچھا: کہ اے ابن ابی ذئب! حسن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں ؟ فرمایا: کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ناحق حکم کرتا ہے — اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ خلیفہ نے حسن سے کہا کہ تم نے سنا کہ تمہارے باب میں کیا کہتا ہے۔ حسن نے کہا کہ یا امیر المومنین! ان سے آپ اپنی بابت دریافت فرمایئے — خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ میرے باب میں آپ کیا فرماتے ہیں ؟ فرمایا کہ اس سے مجھے معاف رکھیئے! گویا آپ اپنا حال خود نہیں جانتے —

خلیفہ نے پھر اصرار کیا تو فرمایا: کہ میں گواہی دیتا ہوں
کہ تم نے یہ مال ناحق حاصل کیا ہے اور ان لوگوں میں
صرف کیا جو اس کے اہل نہ تھے اور میں گواہ ہوں کہ ظلم
تمہارے دروازہ پر پھیلا ہوا ہے۔"

یہ سنکر منصور اپنی جگہ سے سرکا۔ یہاں تک کہ ابن ابی ذئب کی گردن اپنے ہاتھ سے پکڑ لی اور کہا کہ یاد رکھو کہ اگر میں یہاں نہ بیٹھا ہوتا تو فارس اور روم اور دیلم اور ترک یہ جگہ تم سے چھین لیتے ابن ابی ذئب نے کہا: یا امیر المومنین! حضرت ابوبکر اور حضرت

www.Only1or3.com

عمر فاروق بھی تو حاکم تھے اور انہوں نے مال کو حق طور پر وصول کیا۔ اور برابر تقسیم کیا اور فارس اور روم کی گردنیں پکڑ کر ان کی ناکیں رگڑ دیں۔

منصور نے آپ کی گردن چھوڑ دی اور رخصت کیا اور کہا: بخدا اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تم سچ کہتے ہو تو تم کو مار ڈالتا۔

امر و نہی کا اسلامی ضابطہ

عبادہ بن صامت رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اس ارشاد پر بیعت کی کہ ہر حکم کی بہر حال اطاعت کرو گے خواہ تنگی ہو یا فراخی ـــــ رضامندی سے ہو یا مجبوری سے گو تمہاری پسند کے خلاف ہو اور حاکم برحق کی فرماں برداری میں جھگڑا نہ کرو گے، سوا اس صورت کے جبکہ ایسی بات کے لئے کہا جائے جو تمہارے نزدیک علانیہ کفر ہو اور تمہارے پاس اس کے بارے میں اللہ کی طرف سے دلیل ہو اور ہم نے یہ عہد کیا کہ ہم ہر مقام پر حق اور سچ کہیں گے اور حکم الٰہی کے بارے میں کسی مذمت کرنے والے کی مذمت کا خیال نہ کریں گے۔

(متفق علیہ)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے امر و نہی کو (افضل ترین عبادت) نماز کے برابر فرمایا ہے ـــــ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"ہر اچھے انسان کو لازم ہے کہ تمام دن نماز میں مصروف رہے۔"

اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ حکم تو حضورؐ کے ارشادات سے سب سے زیادہ مشکل ہے۔ ارشاد ہوا :

"تمہارا اچھی بات کے لئے کہنا اور بری بات سے روکنا نماز ہے — کمزور کا بوجھ ہلکا کر دینا نماز ہے — راستے سے گندگی (تکلیف دہ چیز) کو ہٹا دینا نماز ہے اور جو قدم بھی نماز کے لئے اٹھایا جائے وہی نماز ہے"

(منقول از منذری ج ۴ ص ۲۷)

اسی طرح ایک اور حدیث میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

پھر ترمذی کی ایک حدیث میں ہے :

افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان و امير جابر -

"یعنی ظالم بادشاہ یا امیر کے سامنے حق بات کہنے کی فضیلت سب سے بڑے جہاد کی ہے۔"

ایک حدیث متفق علیہ میں فرمایا گیا ہے کہ :

الدین النصیحة

"نصیحت کرنا عین دین ہے۔"

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

اور بتایا گیا ہے کہ اس عمل میں اللہ، رسول، مسلمانوں کے حکام اور عوام سب شریک ہیں۔

اِن ارشاداتِ نبوت سے واضح ہے کہ امر و نہی بجائے خود منجملہ اعمالِ صالحہ کے ہے۔ یعنی جس طرح کوئی عمل خیر مستوجب ثواب و فلاح آخرت ہے اس طرح محض امر و نہی بھی مستوجب ثواب و فلاح آخرت ہے۔

ہر چند کہ نصیحت کرنے والے کا خود قاصر العمل ہونا ایک مستقل معصیت ہے تاہم امر و نہی اپنی جگہ پر ثواب و فلاح آخرت سے خالی نہیں۔

اسلام میں امر و نہی کی جو تاکید ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس عملِ خیر کو متعدی بنا دیا جائے تاکہ یہ صدقہ جاریہ ہو جائے خود عمل نہ کرنے والے بھی اگر امر و نہی، پند و موعظت ـــ یا تواصی بالحق پر باہم عمل کریں تو اس عمل کے ثواب سے محروم نہ رہیں گے ـــ گو ترکِ اعمالِ صالحہ کے خسارہ سے نہیں بچ سکتے۔

بغرض امر و نہی کا التزام تمام اعمالِ صالحہ سے زیادہ نتیجہ خیز ہے اور جیسا کہ ابتدائے رسالہ میں بتایا گیا: اللہ تعالیٰ نے تواصی بالحق (یعنی ایک دوسرے کو سچی بات کی تلقین) اجتماعی فلاح و بہبود کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

معاشرہ کی بدبختی

اِسلامی معاشرہ میں 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اُس اہمیت کے پیشِ نظر جو احکامات خداوندی اور ارشاداتِ نبوی سے ثابت ہے ۔ معاشرے کی اس بدبختی کا کیا ٹھکانا ہے! جہاں امر بالمعروف کی بجائے امر بالمنکر کی ترغیب ہو۔۔۔ نہی عن المنکر کی بجائے امر بالمنکر سے ترہیب ہو ۔ اچھے اعمال پر عمل کرنے والوں اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے ذمہ داروں کی توہین و توقیر کی جاتی ہو، اور بری باتوں سے روکنے، اور منع کرنے والوں کی تحسین و توقیر ہوتی ہو۔ راعیانِ ملت کا ہر طبقہ خواہ بادشاہ ہو یا خادم، ممنوعات و منہیات کا نہ صرف مرتکب ہو بلکہ اپنے زیرِ اثر افراد کو اس کے اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہو۔

اسلامی مملکت پاکستان اس بدبختی کی کہاں تک ذمہ دار ہے اس کا محاسبہ اور تجزیہ ہر فردِ ملت کو خود کرنا ہوگا۔

آجر و مزدور ۔ حاکم و محکوم ۔ حکمران و عوام ۔ علماء، صلحا، صوفیا ۔ اہل حرفہ ۔ اصحاب معاملہ ۔ تجار و خریدار

افراد نظام عدلیہ و انتظامیہ — غرض ہر متنفس جو سرزمین پاکستان پر موجود ہے:

دیکھے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں کہاں تک سرگرم عمل ہے؟

جسکی بنا پر ملتِ اسلامیہ کو خدا اور اس کے رسول نے تمام اقوامِ عالم میں سب سے بہتر قرار دیا اور جس کے نظر انداز کرنے کا بدترین خمیازہ بھگتنا پڑا ہے — جس کا ذکر قرآن حکیم، اور احادیثِ نبویہ میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس کا استقصا اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس تہدیدِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ۔

قوم بنی اسرائیل میں خرابی کی ابتدا اس واقعے سے ہوئی کہ ان میں سے ایک شخص جب دوسرے سے ملتا اور اس سے کہتا کہ (اے بندۂ خدا) جو کچھ تو کر رہا ہے اس سے باز آجا۔ کیونکہ یہ فعل حلال نہیں ہے۔ پھر وہی شخص اگلے روز اس سے دوبارہ ملتا اور اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہوتی لیکن اب وہ اس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں اس کے ساتھ شریک حال رہتا ہے۔ اس صورت میں وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد حضور نے سورۃ مائدہ کی دو آیتیں نمبر ۷۸، ۷۹

تلاوت فرمائیں - جن میں بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ کا بنی اسرائیل پر لعنت بھیجنا مذکور ہے - اور اس کا سبب انکی نافرمانی - زیادتی اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو نظر انداز کر دینا بتایا گیا ہے -

(یہ روایت ابن مسعودؓ منقول ملتقطاً

از ترغیب و ترہیب منذری)

اور متعدد احادیث میں اس فریضہ سے غفلت برتنے والی قوم پر لعنت - بلاء دنیوی کا مستوجب قرار دیا گیا اور فرمایا ہے کہ بہت جلد ایسی قوم پر عذاب نازل ہوگا - العیاذ باللہ

والسلام

www.OnlyOneOrThree.com

خبردار!
قیامت کے دن

نذ جائزہ لمایا ہوا اعمال لوہے کے تپتے ہوئے ہتھوڑوں، مرلیوں- زنجیروں، سانپوں اور اژدہوں کی شکل میں نمودار ہوگا- اور کشاں کشاں اسے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں لا پھینکے گا- دنیا کی چند روزہ عیش و عشرت کی زندگی اگلے جہان کی ہمیشہ کی ابدی زندگی کو ہیبت ناک اور المناک بنا دیتی ہے

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ انسان کو ہر روز سوتے وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیئے- بد اور نیک کاموں کا موازنہ کرنا چاہیئے- پھر اندازہ لگانا چاہیئے ان سے اعمال وزنی ہوئے- اگر نیک اعمال زیادہ ہوئے تو اطمینان کی سانس لینا نصیب ہو سکتا ہے- ورنہ عذاب و عقوبت کے لئے تیار رہے-

اس طرح ہر روز انسان اپنی کوتاہیوں، بد دیانتیوں، سرکشیوں، بدکاریوں، اپنے گناہوں، جرموں، قصوروں سے باخبر ہو جاتا ہے- آیئے ہم بھی اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور محاسبہ کریں کہ ہم نے کس حد تک اللہ تعالےٰ کے احکام کی تعمیل کی ہے اور انھیں دنیا میں کہاں تک عام کیا ہے! اب بھی موقعہ ہے کہ ہم اعلائے کلمۃ اللہ کریں بد اعمالیوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو کفار تک پہنچائیں —— اس سلسلے میں سمجھنے والے، درہمے، قدمے حصہ لیں ""جو شخص علم رکھتا ہے وہ نیک اعمالی کا اپنا نمونہ پیش کرے اور پھر غیر مسلموں میں بذریعہ تحریر و تقریر تبلیغ کرے- جو دولت مند ہے وہ تبلیغ کے لئے روپیہ صرف کرے- یاد رکھو!

ع سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

یاد رکھئے!

ہم نے زود یا بدیر مرنا ضرور ہے۔ پھر ہمارا حساب کتاب ہونا لازمی ہے۔ مرنے کے بعد کوئی شے کام نہیں آسکتی۔ صرف اعمال کام آئیں گے۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ آخرت دائمی ہے۔ آیئے اس کے لئے تیاری کریں۔

مرنے کے بعد سوال ہوگا کہ کیا اللہ تبارک وتعالی اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ کیا اللہ تعالےٰ کے حکموں کے مطابق عمل کیا۔ اسلام کا بول بالا کیا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کیا؟ اگر جواب اثبات میں ہوا تو نجات کا راستہ کھل جائے گا۔ اگر نفی میں ہوا۔ تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں بھسم ہونا پڑے گا

آیئے آج ہی

اس آگ کے عذاب سے بچنے کی تدبیر کریں۔ ورنہ پھر پچھتانا پڑے گا

علاج

ہمیں چاہیئے کہ اسلام کا پیغام مسلموں اور غیر مسلموں میں عام کریں۔ اس کے لئے بہترین ذریعہ تبلیغ ہے۔ اسلامی مشن کے ایک رکن بنیں اور دلے درمے اور قدمے ایسے اداروں کی امداد خود کریں اور دوسروں سے کروائیں۔ اسطرح آپ اپنی عاقبت ٹھیک کرسکیں گے اور دوزخ کی آگ سے بچ جائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

اسلامی مشن (سنت نگر) لاہور مغربی پاکستان

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com